رُوحِ کائنات

مولوی سلطان احمد خان

چوہدری برادرز، چوک اردو بازار لاہور

ملنے کا پتہ:

سنگ میل پبلی کیشنز

چوک اردو بازار۔ لاہور

قیمت -/۵

چوہدری ظفر نے اتحاد پریس لاہور سے چھپوا کر، چوہدری برادرز
چوک اردو بازار، لاہور سے شائع کی

فہرست

بلغ العلیٰ بکمالہٖ　　کشف الدجیٰ بجمالہٖ
حسنت جمیع خصالہٖ　　صلّوا علیہ وآلہٖ

سرورِ دوعالم

روحِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

کائنات کا ہر ذرّہ قانونِ قدرت کے ماتحت ایک خاص نظام سے وابستہ ہے اسی قاعدہ کلیہ کے زیرِ نظر انسان کی تولید و تخلیق میں بھی سُنّتِ الٰہی یوں واقع ہوئی ہے کہ جب نطفہ رحمِ مادر میں قرار پاکر رحمی اجزائے نامیہ سے امتزاج پاتا ہے۔ اور بیرونی ہوائی تاثرات سے مستور و محجوب ہر قسم کی خرابی اور تعفن سے محفوظ و مصئون ہوکر الیٰ قدرٍ معلوم مختلف مدارج ارتقاطے کرتے ہوئے نطفہ سے علقہ، مضغہ، گوشت پوست اور عظام وغیرہ کے منازل سے ہوتا ہوا مکمل جسم بن جاتا ہے۔ اس وقت بھی جسمانی تکمیل کے باوجود اس ہیئت کذائی میں اس پر انسان یا حیوان کا صحیح اطلاق نہیں ہوتا۔ ہاں جب اس میں قدرتِ قدیر سے رُوح پھونکی جاتی ہے۔ تو اسے انسان سے تعبیر کرتے ہیں۔

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ۔

ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنَاهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ ۔

رُوح سے پیشتر نطفہ، علقہ، مضغہ، ہڈیاں اور گوشت پوست سب جمادات تھیں۔ جب اس مجموعہ میں احسن الخالقین رب العالمین نے رُوح پھونکی تو انسان بنا۔ اب وُہ حرکات کرنے لگا۔ تمام قویٰ حاسہ۔ لامسہ۔ باصرہ۔ سامعہ۔ مدرکہ ظاہری اور باطنی نشو و نما پانے لگے۔ اور اشرف المخلوقات انسان کہلا کر سمیع و بصیر کے خطاب سے نوازا گیا۔ وَجَعَلْنَاهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا۔

ایسے ہی اگر ہم امرِ تکوینی کو مادرِ کائنات کا رحم قرار دیں۔ اور تمام عالم کائناتِ ارضی و سماوی علوی سفلی برّی و بحری کو اس نطفہ سے تشبیہہ دیں، جس نے مختلف مدارج ارتقاء طے کر کے جسم کی صورت اختیار کی ہو لیکن یہ جسم تا حال بغیر رُوح کے ہو۔

تو اب واہب العطایا خالقِ مطلق کے ذمّہ بنظر عطایات بے غایاتِ کریمانہ خود یہ لازم ٹھہرا کہ اس تکمیل یافتہ مادہ کو رُوح بھی بخشے۔

رحمتِ الٰہی جوش میں آئی۔ وُہ ذات رحیم و کریم ہے۔ بے منّت اس کی بخششوں کی موسلا دھار بارش برستی ہے۔ رؤف و رحیم خدا نے نبی محمد مصطفٰے احمد مجتبٰے صلے اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر "رُوحِ کائنات" بنایا۔ اور تمام عالموں کے لئے رحمت قرار دیا۔

"مَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ"

سرورِ دو عالم صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا وہ فرمان جو صحیحین میں مروی ہے۔ اس اجمال کی تفصیل اور تفسیر کی طرف ایک لطیف اشارہ ہے۔ آپؐ فرماتے ہیں "میری مثال اور مجھ سے ماقبل تمام انبیاء و رسل کی مثال یوں سمجھو۔ کہ ایک آدمی نے عالی شان محل بنایا جسے خوب سجایا۔ مرصّع کاری میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ مگر ایک کونہ میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی۔ لوگ آتے ہیں اس کے گرد اگرد گھومتے ہیں اسے دیکھ کر حیران ہوتے ہیں۔ اور سوچتے ہیں کہ یہ اینٹ کیوں نہ لگائی گئی۔ اور کہتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک

یہ اینٹ نہ لگائی جائے۔ مکان تشنۂ تکمیل سمجھا جائے گا۔ اس مکان کی روح اور حیات بھی ایک اینٹ ہے۔ آپؐ نے فرمایا میں وہی اینٹ ہوں۔ اور میں ہی "خاتم النبیین" ہوں۔

کیا آپ کا یہ فرمان اس امر کی بیّن دلیل نہیں ہے۔ کہ آپ ہی حقیقت میں تمام عالمِ کائنات کی رُوح ہیں۔ اور اسی روح سے قصرِ انسانیت نے تکمیل پائی۔ نبوّتیں ختم ہوئیں۔ آپ کی شریعت نے تمام سابقہ شرائع پر خطِ تنسیخ کھینچا۔ اخلاق مکمل ہوئے حضورؐ کا یہ فرمان "بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ" اس پر شاہد ہے۔

آپ رُوحِ کائنات کیوں نہ ہوں۔ تمام کائنات انسان کے لئے ہے۔ چونکہ وُہ اشرف المخلوقات ہے۔ انسانوں میں اشرف وجود انبیاء علیہم السّلام کا ہے۔ انبیاء میں اشرف مرسلین اور مرسلین میں افضل ترین اولوالعزم رسول ہوتے ہیں۔ جیساکہ نوحؑ ابراہیمؑ۔ موسٰیؑ۔ عیسٰیؑ اور محمّد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم ہیں اور ان سب اولوالعزم انبیاء میں بزرگ ترین خاتم النبیّین محمّد مصطفٰے امام الانبیاء وخطیبہم سیّد وُلدِ آدم صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جو شبِ معراج مسجدِ اقصٰے میں تمام انبیاء ورسل کے امام وخطیب بنے۔ مقامِ محمود اور لوائے حمد کے مالک ہیں۔ قیامت میں لوگوں کے شفیع ووسیلہ ہوں گے۔ ان کی کتاب سب کتابوں سے افضل جس کا محافظ خود اللہ تعالیٰ ہے۔ دین اور شریعت سب دینوں سے برگزیدہ بہتر اور اُمّت خیرالامم ٹھہری۔ ورُ للقائل

"بعد از خدا بزرگ توئی قصّہ مختصر"

اگرچہ اس قوم کے افراد کا ظہورِ بعثت اور تخلیق کے لحاظ سے سب اُمّتوں کے بعد ہؤا۔ مگر حضورؐ کے فرمان کے مطابق قیامت میں سب سے پہلے اٹھیں گے۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نحن الاٰخرون السابقون یوم القیامۃ بید انھم اوتوا الکتاب من قبلنا واوتینا من بعد ھم" (ترجمہ) ہم بعد میں بھیجے گئے ہیں لیکن قیامت کے دن سب سے پہلے ہوں گے۔ چاہے کتاب ان کو پہلے دی گئی ہے اور ہمیں بعد میں نیز فرمایا انا اوّل من تنشق الارض نیز فرمایا اٰتی باب الجنۃ فاستفتح

فیقول الخازن من انت فاقول انا محمدؐ فیقول بك امرت ان لا افتح لاحد قبلك ۱۲۔ (ترجمہ) میں جنّت کے دروازہ پر آؤں گا۔ دروازہ کھولنے کو کہوں گا۔ داروغہ پوچھے گا۔ تو کون ہے۔ میں کہوں گا "محمدؐ"۔ داروغہ جواب دے گا۔ (مرحبا) تیرے بغیر کسی اور کے لئے یہ دروازہ کھولنے کی مجھے اجازت نہیں دی گئی۔

ولی اللہ کی شناخت

ولی کی شناخت اللہ کی شناخت سے کہیں زیادہ مشکل ہے۔ اللہ اپنے جلال و جمال اور آیاتِ قدرت سے پہچانا جاتا ہے۔ ولی چونکہ عام انسانوں سے ملتا جلتا بشر ہے۔ خورد و نوش میں امتیاز نہیں۔ نشست و برخاست میں تفاوت نہیں۔ رفتار و گفتار اور تمدّن و کردار ایک سا ہے۔ ظاہری معمولاتِ روزمرہ میں مشابہت عظیم ہے۔ اس لئے عام انسان اور ولی میں ظاہر بین آنکھ فرق نہیں پا سکتی۔ پھر رسول اور عام انسان کے درمیان تمیز کرنا اس سے بھی مشکل ترین امر ہے۔ چونکہ ولی کو غیر ولی یا عام انسان کو ولی مان لینا ایمان میں فرق پیدا نہیں کرتا اور نہ یہ امر جزوِ ایمان ہے لیکن مدعیٔ نبوّت کی تکذیب و تصدیق ہر دو خطرناک ہیں۔ یعنی غیر نبی کو نبی مان لینا اور نبی و رسول کو نبی نہ ماننا ہر دو صورت میں خسران مبین ہے۔ اس لئے نبی کی شناخت صعب تر امر ہے۔

ہاں جب اللہ کریم کی رحمت شامل حال ہو اور نبی و ولی کی شناخت و تصدیق میں مشیتِ حق شریک ہو جائے۔ پھر تو دیکھنے والے کی نظر میں اس نبی یا ولی کا عمومی اور بشری جامہ مستور ہو کر وجودِ خصوصی سامنے آ جاتا ہے۔ ورنہ فہم و دانش کے پاؤں لڑکھڑا کر جویائے حق کو قعرِ ضلالت میں گرا دیتے ہیں۔

کلام حمید میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ۔ اللہ تعالےٰ جسے ہدایت دینا چاہتا ہے اس کا سینہ اسلام قبول کرنے کے لئے کھول دیتا ہے۔

صدیق اکبرؓ اور ابوجہل و ابولہب کی مادی نظر میں ذرا فرق نہ تھا۔ چشم سر میں بینائی یکساں تھی لیکن صدیق کی چشم قلب بینا تھی۔ ابوجہل و ابولہب دونوں اس نور سے محروم تھے۔ لہٰذا یہ دونوں بدبخت مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا۔ " پر اڑے رہے۔ یہ امتیاز نہ کر سکے کہ بشریت بشریت میں بھی بُعد المشرقین ہوتا ہے وہ دونوں نبی کی بشریت کو اپنی بشریت کے مماثل جان کر نبوت و رسالت کا نور نہ دیکھ سکے۔ اور یارِ غار کی دُور بین اور نور بین نظر بشری حجاب کے پرے ضیائے رسالت کے برقی قمقموں کی نور پاشیوں پر پڑی۔ اس لئے انہوں نے بے تامل دعوتِ رسالت کی تصدیق کی اور فوراً پکار اُٹھے " اٰمَنْتُ بِكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ " اے اللہ کے رسول میں آپ پر ایمان لایا بے شک آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ سچ ہے ؎

لو ابصر الشیطان طلعت نورہ

فی ظہر ادم کان اول من سجدا

اگر شیطان کو بھی محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا وہ چمکتا دمکتا نور پشتِ آدم میں نظر آ جاتا۔ تو آدم علیہ السلام کے ساجدین میں اس کا پہلا نمبر ہوتا۔

ہم پر اللہ کی رحمت سب سے زیادہ ہوئی کہ ہمارے متعلق اللہ تعالےٰ نے كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اور وَجَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا فرمایا۔ اور اس رحمۃ للعالمین کی اُمت میں شامل کیا۔ کہ جس کے بعد ہر قسم کا سلسلۂ نبوت ہی ختم ہو گیا۔ نہ نبی آئے نہ شناخت کی زحمت ہو۔ اگر کوئی بدبخت سر پھرا کسی تاویل میں کسی قسم کی نبوت کا دعویٰ کر بیٹھے تو اُسے شیطان کا دھوکہ سمجھ کر ایسے مفتری اور کذاب سے کنارہ کش ہو جانا ہی ایمان ہے۔ اس میں کسی سوچ بچار اور غور و خوض کی ضرورت نہیں۔ اس سے علیحدگی میں ہی ایمان محفوظ رہے گا۔

رسول کی بشریت

انبیاء و رُسل کی بشریت ایک عجیب معمہ اور ابتلا ہے۔ جب اصحاب قریہ نے

اپنے وقت کے رسولوں سے یہ کہا کہ "مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا" تم تو ہمارے جیسے بشر ہو۔ ان پر غضب الٰہی نازل ہؤا۔ عذاب صیحۃ وّ احدۃ سے ہلاک ہو گئے حالانکہ وُہ رسُول بشر ہی تو تھے۔ مگر اہل قریہ کا مدلول غلط تھا۔ بشریت کی تحقیر سے رسالت کا انکار کر رہے تھے۔ ایسے ہی قومِ نوحؑ نے نوح علیہ السّلام کے متعلق کہا۔ یہ تو تمہارے جیسا بشر ہے۔ تم پر فضیلت اور ترجیح پانے کے لئے کہتا ہے۔ کہ میں رسُول ہوں۔ اگر خدا نے ہماری ھدایت کو کوئی رسول بھیجنا ہوتا تو کسی فرشتہ کو بھیج دیتا۔ ہم نے کبھی یہ نہیں سُنا کہ اللہ کا رسول بشر ہو۔ یہ شخص تو دیوانہ ہے۔

(سورۃ مؤمنون آیت ۲۴-۲۵)

رسالت کا سلسلہ جاری رہا۔ کَمَا قَالَ اللہُ تعالیٰ "ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا" ہم متواتر رسول بھیجتے رہے اور لوگ انکار و استہزاء کرتے رہے۔ سورۂ مؤمنون آیت ۳۳ و ۳۴ میں یوُں بیان آیا ہے۔ کہ سرمایہ دار لوگوں نے کہا۔ یہ تو تمہارے جیسا انسان ہے۔ جس طرح تم کھاتے پیتے ہو۔ وہ بھی کھاتا پیتا ہے۔ اگر تم لوگ اپنے جیسے "بشر" کے پیچھے لگ گئے تو بہت ذلیل انسان کہلاؤ گے۔ یہ لوگ بھی سخت تند آواز سے مِٹ گئے۔ جیسا کہ نوحؑ کے منکر طوفان آب میں ڈوب مرے۔

رسالت کا زمانہ موسےٰ علیہ السّلام تک پہنچا۔ اس زمانہ کے طواغیت کا قائد اور خُدا سے باغیوں کا سرغنہ فرعون تھا۔ الوہیت کا دعویٰ کیا۔ خداوند کریم نے حجت پوُری کرنے کو موسیٰ علیہ السّلام اور ان کے بھائی ہارون کو منصب نبوّت و رسالت سے سرفراز فرمایا۔ اور فرعون اور اس کی قوم کی اصلاح کے لئے بھیجا۔ جس کا قرآن پاک میں بار بار ذکر آیا ہے۔ اس کی قوم نے بھی یہی کہا۔ کیا ہم اپنے جیسے دو انسانوں کا کہا مان لیں۔ جبکہ ان کی ساری قوم بنو اسرائیل ہمارے لونڈی غلام اور خادم ہیں مؤمنون آیت ۴۷ لغایت ۴۹ خداوند کریم نے انہیں بھی بحر نیل میں غرق کر کے آنے والی قوموں کے لئے عبرت بنایا۔ یہی حال قوم عادؔ۔ ہودؔ۔ ثمود وغیرہ کا ہؤا۔ ہر ایک نے بشریت کا عذر پیش کر کے رسالت سے انکار کر دیا۔

قرآنِ کریم کا مطالعہ اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات ہمیں بتاتی ہے۔
کہ ہر نبی نے گو اپنے زمانہ میں توحید کی تبلیغ کی۔ عوام الناس کو شرک سے دُور
رہنے کا سبق پڑھایا۔ اپنی عبُودیت اور بشریّت کا ان سے اقرار لیا۔ لیکن جب
ان کی عارضی حیات کے ایّام وفات سے متصادم ہوئے اور زمانہ نے زمانِ رسالت
سے بعد پکڑا۔ تو وُہ شیاطین جن و انس جو انبیاء کی موجودگی میں بعض لوگوں کو
توحید کے راستہ سے پھسلانے میں عاجز رہے تھے۔ اُنہوں نے راہِ حق سے بھٹکانے
کی نئی تجویز سوچی۔ اور وُہ اس طرح کہ لوگوں میں اپنے ہادی اور رسول کی نسبت
غلط جذبۂ محبّت پیدا کر دیا۔ تاکہ جو لوگ زمانہ رسالت میں رسول پر ایمان لا
کر قبولِ اسلام کر چکے ہیں۔ اور اب اسی پر جمے ہوئے ہیں۔ انہیں انبیاء کی محبّت
کے ایسے غلط انداز جام بھر بھر کر پلائے کہ اس کی مستی میں شرک کا غیر محسوس
سمِ قاتل ان کے رُوح کے نور کو کسوف اور خسوف کی طرح کھانے لگا۔ اور جراثیم
دق کی مانند ان کی رُوحانیّت اور وحدت پرستی کا پھیپھڑا کھوکھلا کرنے لگے۔
یہاں تک کہ بشریّت اور رسالت دُور کی نسلوں میں خیال کی دو متضاد تصویریں بن
گئیں۔ جبھی تو ہر رسول کی آمد پر لوگوں نے کہا۔ کہ ہم نے آباؤ اولین سے کبھی
یہ سُنا ہی نہیں کہ رسول "بشر" ہوتا ہے۔ رسالت ایک بلند ترین منصب ہے۔
بشر کیونکر اس پر فائز ہو سکتا ہے۔

دوسری وجہ بشریّت سے انکار کی یہ ہوئی کہ بعض اقتدار پسند خود غرض لوگوں
نے جب یہ چاہا کہ لوگوں میں انہیں ترجیح، عزّت اور عروج حاصل ہو تو غیر اللہ
کی پرستش احترام کا نام دے کر شروع کرا دی۔ جب عوام یہ بھی برداشت کر گئے۔
تو رہبانیت و احباریت وغیرہ کا لباس پہن کر زہد و عفّت سے اپنے ظاہر کو خوب
مزیّن کیا۔ پھر کیا تھا اپنی پرستش کرا کر عیش کی زندگی بسر کرنے لگے۔

یہی وجہ ہے کہ یہود و نصاریٰ نے پہلے لوگوں میں یہ اشاعت کی کہ عیسےٰ علیہ السلام
اور عزیر خُدا کے بیٹے ہیں جب لوگوں نے یہ تسلیم کر لیا۔ تو پھر صاف صاف کہہ دیا

"نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰہِ وَاَحِبَّآؤُہٗ" ہم بھی اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں۔ یہ منصب کے حقدار سمجھے جاتے تھے۔ راہب و احبار اس طرح پوجے جانے لگے۔

عیسٰے علیہ السّلام کے متعلق خود اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن جب اللہ تعالےٰ عیسٰے علیہ السّلام سے پوچھیں گے۔ کہ اے عیسٰے کیا تونے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں مریم کو خدا مانو۔ عیسٰے علیہ السّلام عرض کریں گے۔ بارِ خدایا تو خوب جانتا ہے۔ میں ایسا کیونکر کہہ سکتا ہوں جبکہ مجھے اس کا حق ہی نہیں۔ میں جب تک ان میں رہا۔ ان سے اپنے عبد ہونے کا اعتراف کراتا رہا۔ تیری توحید کو پھیلایا۔ جب تونے مجھے اپنے پاس بلا لیا۔ پھر جو کچھ ان کے جی میں آیا انہوں نے کیا تو اس امر کو خوب جانتا ہے۔

غرضیکہ ہمیشہ بشریت اور رسالت کے اختلاف کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ حتّٰی کہ رُوحِ کائنات فخرِ موجودات سرورِ دوعالم صلے اللہ علیہ وسلم کو مسندِ رسالت سے سرفراز فرما کر رب العالمین نے رحمۃ للعالمین پر ہمیشہ کے لئے نبوت ختم کردی اور فرمایا۔ اے میرے محبوب! لوگوں میں اعلان کردو۔ کہ میں اگرچہ دائم سنتِ الٰہی کے مطابق تمہارے جیسا بشر ہوں۔ لیکن مجھے اللہ کریم نے اپنی رحمتِ خاص سے سرفراز فرمایا ہے۔ اور وحی و رسالت سے امتیاز بخشا ہے۔ اور اس رسالت کے تاج سے مجھے اتنا سربلند فرمایا کہ میرے منصب کے نزدیک کائنات کی کسی مخلوق جن و انس اور ملک کو دم مارنے کی طاقت نہیں۔ اور لوگوں کو واضح الفاظ میں سمجھا دو۔ کہ بشریت ہی میرے لئے عزّ و شرف ہے۔ عبودیت میں مجھے معراج نصیب ہُوا۔ میرے قدوس الہ العالمین نے میری عبودیت کو بار بار قرآن میں سراہا۔ اور اہم مقامات پر اس کا ذکر کیا۔ معراج کے موقع پر فرمایا۔ "سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ" نزولِ قرآن کے ذکر میں "مِمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا" تبلیغ کے مقام پر "فَقَامَ عَبْدُ اللّٰہِ" فرمایا (عبدہٖ۔ عبدنا۔ عبداللہ کیسے پیارے لفظ ہیں جن میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا نام اپنے

نام کے ساتھ ملا کر شرف بخشا تاکہ لوگ بعد میں تیری بشریت اور عبودیت میں شک کر کے گمراہ نہ ہو جائیں۔

عبودیت بارگاہِ الٰہی میں کمال تذلّل کا نام ہے۔ دربارِ معبود میں جس قدر عبودیت اور تذلّل زیادہ ہو قبولیت بڑھتی ہے۔ محبوبیت حاصل ہوتی ہے۔ کبر صرف ذاتِ کبریا کو زیبا ہے۔ باقی سب کو اس کی مقدس بارگاہ میں عجز و تذلّل ہی زیب دیتا ہے۔ اسی سے قربِ الٰہی حاصل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ درگاہِ ایزدِ متعال میں جو عبودیت اور عجز و تذلّل کا مرتبہ سرورِ دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے پایا نہ وہ عجز کوئی اور پا سکا اور نہ وہ کمال کسی کو حاصل ہوا۔

اس روشن دلیل اور وضاحت کے باوجود جو ازلی شقی اور بدبخت تھے۔ انہیں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت اسلام قبول کرنے سے مانع رہی جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰۤى اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ۔ جب لوگوں کے پاس ہدایت پہنچی۔ انہیں ایمان لانے سے مانع صرف یہی امر ہوا۔ کہ کہنے لگے کہ کیا خدا نے بشر کو رسول بنا کر بھیجا۔ یہ عجیب بات ہے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو بعض آدمی تو بشر کہہ کر ایمان لانے سے محروم رہے۔ اور دوسرے کچھ وہ بھی پیدا ہو گئے جو بشریت کے انکار سے قرآن کی آیاتِ محکمات کو بھول گئے۔

حق یہ ہے کہ اقرارِ بشریت کے بغیر رسالت کا ماننا مفید نہیں ہو سکتا۔ چاہے کتنا ہی محبت کا دعویٰ کیا جائے۔ اقرارِ بشریت ہی صحیح ایمان ہے۔ ظاہری بشریت وہی عمومی بشریت ہے۔ بشریت کے لباس کے اندر جو بشریت کا باطن ہے۔ وہ فہم و ادراک سے بالاتر ہے۔ ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ ؎

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

رہا توصیف و تحمید کا سوال اس میں انسان کی کیا مجال کہ روحِ کائنات صلے اللہ

علیہ وسلم کی تعریف کما حقہ ادا کر سکے۔ یہی کہنا پڑے گا ؂

محمدؐ حامد حمد خدا بس
خدا مداح حمد مصطفٰےؐ بس

رسولؐ کی تعریف صحیح اللہ ہی کر سکتا ہے۔ الحمد سے والناس تک اللہ کا کلام رسول اللہ کی تعریف سے پر ہے۔ جو اس سے زیادہ تعریف کر سکنے کا دعوی کرے وہ غلط ہے۔ اللہ ہمیں حق سمجھنے کی توفیق دے ہم حق پر عمل کریں۔ اور حق کی تبلیغ ہمارا شیوہ ہو۔ آمین۔

منصبِ نبوّت

نبوّت وہبی امر ہے۔ مشیّت ایزدی سے نبی کا انتخاب ہوتا ہے۔ اس امر کے اثبات میں مندرجہ ذیل شہادتیں موجود ہیں۔ (۱) اَللّٰهُ يَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (پ) اللہ خوب جانتا ہے کہ رسالت کے شایاں کون ذات ہے۔

(۲) رَفِيْعُ الدَّرَجَاتِ ذُو الْعَرْشِ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ‘‘ (مومن پ۲۴) (ترجمہ) درجے بلند کرنے والا عرش عظیم کا مالک رب العزت اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے۔ اور پسند کرتا ہے۔ اس کی طرف وحی بھیجتا ہے تاکہ وہ اپنی خاص روحانیت سے وحی کا پیغام لوگوں کو سنا کر یوم قیامت سے ڈرائے۔

(۳) حدیث شریف میں آیا ہے۔ کہ اللہ کریم جب کبھی کسی کو رسالت کے لئے انتخاب فرماتے ہیں۔ تو پہلے تمام دنیا کو ایک ہاتھ میں لیتے ہیں اور نبی کو دوسرے ہاتھ میں۔ جب نبی والا پلڑا بھاری ہو تب نبوّت ملتی ہے۔ یعنی جس قوم کی طرف نبی بنا کر بھیجا جاتا ہے۔ اس ساری قوم کے مجموعی اخلاقِ حسنہ اور فطرتِ صحیحہ سے اس ہونے والے نبی کی شخصی سیرت اور اخلاق کا موازنہ کیا جاتا ہے۔ جب اس کا پلڑا جھک جائے۔ تو خلعتِ رسالت و نبوّت سے سرفراز کیا جاتا ہے۔ نبوّت عطا فرمانے

کے بعد ملائکہ کو اس نبی کا نگران حال و محافظ رکھا جاتا ہے۔ تاکہ وہ رسول شیاطین جن وانس کی زد سے محفوظ رہ کر تبلیغ کی ذمہ داری کو پوری طرح نباہ سکے۔ كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى. فَإِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا لِيَعْلَمَ أَنْ قَدْ أَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَأَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَأَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا (پ ۲۹) بہر حال انبیاء اللہ تعالٰے کی زیر نگرانی ہوتے ہیں بکتب قدس سے امر و نہی کے تابع علم و حکمت سے بہرہ ور کیے جاتے ہیں۔ أَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا (پ ۵) وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (پ ۶) فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا " ہم اور تجھے لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔ تو ہماری زیر نگرانی ہے۔ یہ اور اسی قسم کی بہت سی آیات اس امر کی روشن دلیلیں ہیں کہ نبی کی نگرانی خود اللہ تعالٰے فرماتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کا علم یقینی اور نبی ہر خطا سے معصوم ہوتا ہے۔ اور غیر نبی کا علم ظنی اور عصمت معدوم ہوتی ہے۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے پہلے دنیا کی حالت

ایشیاء میں اکثر مجوسیت چھائی ہوئی تھی۔ وثنیت کا غلبہ اور دور دورہ تھا۔ دہریت عام تھی۔ اہل کتاب میں سے یہود و نصاریٰ ہر ایک "ہمچو ما دیگرے نیست" کا مدعی تھا۔ جاہ طلبی میں لگے ہوئے تھے۔ ہر ایک کو تفوق کا دعویٰ تھا۔ قَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ. وَقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ. یہود نصاریٰ کو نہ مانتے اور ان کی تحقیر کرتے۔ نصاریٰ یہود سے متنفر اور ان کی تذلیل کے درپے رہتے۔

حقیقت یہ کہ ہر دو گروہ سود خوری۔ رشوت ستانی۔ حرام کاری۔ بدکرداری۔ قمار بازی وغیرہ میں منہمک ہو کر بصیرت سے محروم اور روحانیت کھو بیٹھے تھے۔ اور اس قعر مذلت میں گراوٹ کے باوجود بھی دعویٰ یہ کہ ہم ہی خدا کے پوت اور اس کے

پیارے ہیں۔ گستاخی میں یہ جرأت کہ اللہ کو بخیل اور کنجوس کہنے سے گریز نہ کرتے۔
جیسا کہ اللہ نے خود فرمایا۔ وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ
وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ لَوْلَا
يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ
السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ
غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا (الی آخر رکوع پ۶) (ترجمہ) ان میں بہت
سے ایسے آدمی آپ پاتے ہیں جو دوڑ دوڑ کر گناہ ظلم اور حرام کھانے پر گرتے ہیں۔
یہ بہت برا عمل ہے۔ افسوس یہ کہ علماء اور مشائخ بھی ان کو ایسی بری باتوں اور
حرام کھانے سے نہیں روکتے۔ علماء کے لئے یہی ایسا کرنا کتنی بری بات ہے۔ یہود
نے کہا۔ کہ اللہ کا ہاتھ مغلولہ (بندھ) ہو گیا ہے۔ یعنی اللہ بخیل اور کنجوس ہو گیا
ہے۔ ان ہی کے ہاتھ بند ہوں۔ وہ تو اپنے ایسا کہنے کے سبب اللہ کی رحمت سے
دور کر دیئے گئے ہیں۔ اللہ کے دونوں ہاتھ کشادہ ہیں۔ وہ تو بڑا جواد و کریم ہے جس
طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے۔ اور یہود پر رزق کی تنگی اقتضائے حکمتِ حکیم مطلق
سے ہے تاکہ ان کو کفر اور نافرمانیوں کا وبال چکھایا جائے) جو احکام آپ کے
پاس پروردگار کی طرف سے بھیجے جاتے ہیں وہی ان میں اکثر کی سرکشی اور کفر
میں ترقی کا سبب بن جاتے ہیں۔ ہم نے ان میں قیامت تک پھوٹ عداوت
اور بغض ڈال دیا ہے۔ جب کبھی یہ لڑائی کی آگ بھڑکانا چاہتے ہیں۔ اللہ
اسے بجھا دیتا ہے۔ یہ ملک میں فساد کرتے پھرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مفسدوں کو
دوست نہیں بناتا۔ اگر اہل کتاب ایمان لاتے اللہ سے ڈرتے تو ضرور ہم ان سے
ان کی برائیاں دور کر دیتے۔ جنت کے انعاموں سے بہرہ ور کرتے۔ اگر وہ تورات
اور انجیل کے پورے عامل ہوتے۔ زمین و آسمان سے انہیں فراواں رزق ملتا۔ گو
بعض ان میں میانہ رو ہیں لیکن اکثر تو بہت ہی بدکردار ہیں۔

یہود کی حالت

علاوہ ازیں یہود جو بنو اسرائیل کہلاتے تھے۔ یعقوبؑ۔ اسحاقؑ۔ ابراھیم علیٰ نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد سے تھے۔ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا خاص قبیلہ جانتے تھے۔ غیر قوموں میں تزویج ومناکحت قطعًا ناجائز سمجھتے تھے۔ حصول زر ہی میں جنّت کی توقع رکھتے تھے۔ اسی لئے اپنی ساری ہمّت جائز و ناجائز طریق سے کسب سرمایہ پر صرف کرتے۔ حالانکہ مال وزر روح کی صلاۃ مٹاتی ہے۔ دولت رُوحانی نور کو دھندلا کر دیتی ہے۔ اس سے رُوح پر ہزاروں حجاب چھا جاتے ہیں۔ کَمَا قَالَ اللہُ تَعَالیٰ۔ وَلَوْبَسَطَ اللہُ الرِّزْقَ لِعِبَادِہٖ لَبَغَوْا فِی الْاَرْضِ" اگر اللہ بندوں میں رزق وسیع کر دیتا تو لوگ زمین میں بغاوت پھیلا دیتے۔ یہ لوگ ایسے اعراض عن الحق کے باوجود بھی توحید کے مدعی تھے۔ حالانکہ توحید کا علم وہ صاف دل انسان بلند کر سکتا ہے جو ارادہ کا پختہ اور عزمِ صمیم کا مالک ہو۔ اور عزم صمیم اس صاف باطن انسان سے صادر ہو سکتا ہے جس کی روحانیت جسدِ خاکی پر غلبہ پا کر جسم کو بھی نور میں تبدیل کر دے۔ جیساکہ قرآنِ حمید میں حضرت لقمان علیہ السّلام کا اپنے بیٹے کو نصیحت کرنا یوں مذکور ہے۔ فرماتے ہیں۔ بیٹا! خود نماز قائم کرو۔ لوگوں کو نیک راستہ پر لگاؤ۔ بُرائی سے روکو۔ اس میں جتنی صعوبتیں جھیلنی پڑیں۔ خوشی سے جھیلو۔" اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ" سب سے اہم کام یہی ہے۔ کیونکہ جب ایمان اور قلب کے درمیان ریاکاری۔ سود خواری۔ بدکرداری ایسے غلط شعور پیدا ہو جائیں کج شعاری کی تیرہ وتار گھٹائیں حائل ہوں تو ایمان کو قلب میں کب سکون اور استقامت نصیب ہو سکتی ہے۔

ان کے دعویٰ توحید کے باوجود بھی قصّابی قسوت اور جزاری وجبروت ان کے دلوں پر شبِ دیجور سے زیادہ چھائی ہوئی تھی وہ بالکل" ثُمَّ قَسَتْ

قُلُوبُهُمْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَة"
کا مصداق تھے۔

نصاریٰ کی حالت

یہود کو چھوڑ کر جب نصاریٰ پر نظر ڈالیں۔ یہ فتن و فساد میں یہود سے چار قدم آگے تھے۔ "وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّا نَصَارٰى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۔ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ"
(ترجمہ) وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں ان سے ہم نے عہد لیا۔ انہوں نے نافرمانی کی اور عہد توڑا۔ عہد شکنی کی پاداش میں ان میں نفاق عداوت اور بغض کا بیج قیامت تک ہم نے بو دیا۔ اللہ انہیں بہت جلد اس سے آگاہ کرے گا۔ جو کچھ انہوں نے کیا یا وہ کر رہے ہیں (قیامت دُور نہیں نتیجہ پالیں گے)

یہود و نصاریٰ کے علاوہ دُوسرے لوگ

رُوحِ کائنات محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے سے پہلے دُنیا کے یہود و نصاریٰ کی بدحالی تھوڑی سی سُن لی ہے۔ ان کے علاوہ مجوسیت۔ وثنیت دہریت اور صابیت کی لادینی کا شور و غوغا اس سے مزید تھا۔ رُوحانیت (جو انسانیت کا عضو رئیس یا اس کی جان ہوتی ہے) بالکل ختم ہو چکی تھی۔ جسم باقی تھا۔ مگر وُہ بھی فسق و فجور اور فواحش کے جرائم عظیمہ میں پھنس کر مضمحل ہو چکا تھا۔ دِل نفاق سے بھرے ہوئے تھے۔ ہر طرف شر و فساد کی لہریں ٹھاٹھیں مار رہی تھیں۔ خیر و خوبی مفقود تھی۔
قوتِ سامعہ کان لگائے بیٹھی تھی کہ کہیں سے ندائے خیر سُنائی دے۔ قوتِ باصرہ چاہتی تھی کہ کسی جانب سے نورِ حق کی بجلی چمکے اور اس تباہی و بربادی

کی گھنگھور گھٹائیں چھٹ جائیں۔ ظلم وستم کی شب دیجور دور ہو۔ ھدایت کا راستہ دکھائی دے۔ انسانیت کا نشان اور پتہ ملے۔ ویران وسنسان قلوب جو شیاطین کا مسکن بنے ہوئے ہیں۔ اللہ سے رحمت کا نور پاکر ملائکہ کی زیارت گاہ ہوں۔ روحانیت کے پیاسے علم وعرفان اور فضل وحکمت سے سیر ہونا چاہتے تھے۔ ان حالات میں یہ کسے معلوم تھا کہ مشیت الٰہی میں کیا ہو رہا ہے۔ وہ عرب جنہیں ان دنوں شاگردی میں بھی کوئی نہیں لیتا تھا۔ ایک دن کسی اللہ کے بندے کا دامن رحمت پکڑ کہ دنیا بھر میں استادی کا فخر حاصل کریں گے۔ کون سمجھ سکتا تھا کہ وہ دن دور نہیں جب یہ اونٹنیوں کا گوشت کھانے والے۔ بھیڑوں بکریوں اور اونٹوں کے چرواہے عرب جنہیں پوچھنے پر کوئی راستہ بھی نہ بتاتا۔ ایک اللہ کے بندہ کی نظر کیمیا اثر سے فیض پاکر مشرق ومغرب کی قیادت کا تاج سر پر رکھیں گے۔ اور قیصر وکسریٰ ان کے آستانہ پر ناصیہ فرسائی کو اپنے لئے باعث عزت سمجھیں گے۔ یہی ذلیل عرب جو اپنے اونٹوں کو پہلے پیچھے پانی پلانے کے بے سود جھگڑوں میں چالیس چالیس سال تک کٹ کٹ کر مرنے والے ہیں دنیا بھر کے جھگڑے چکائیں گے۔ دنیا کو اللہ کے ایسے نورانی بندہ کی آمد کی اشد ضرورت تھی۔ جو جہنم کے کنارے حیران کھڑے لوگوں کو مشعل ہدایت دکھا کر جنت کی شاہراہ پر لگا دے۔ اچانک زمانہ نے ندا دی کہ وہ دن آگیا جس کی مجھے انتظار تھی۔

حمل و ولادت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

آمنہ زہرا جس کی قوم عرب میں تمام قوموں کی سردار اور خود آمنہ اپنی قوم کی تمام عورتوں میں برگزیدہ ملک عرب میں تمام ممتاز خاندان کے ممتاز فرد عبداللہ بن عبدالمطلب کی زوجہ سرور کائنات محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے حاملہ ہوئیں۔

طبیعت کا تقاضا اور قدرت کا منشا یہی تھا کہ صاحب دین فطرت پیدا ہو۔ اور

لوگوں میں یہ اعلان کردے "لوگو اگرچہ میں ظاہر بین آنکھ میں اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ تمہارے جیسا انسان ہوں۔ لیکن حقیقت اور باطن میں تمہارے اور میرے درمیان ارض و سما کا فرق ہے۔ مجھے اللہ کا فرشتہ اس کا مقدس پیغام پہنچاتا ہے۔ اور خداوند کریم نے مجھے تمہارے لئے اپنا پیغام رساں مقرر فرمایا ہے۔ لوگوں میں تمہیں "صِبْغَةَ اللّٰه" میں رنگنے کے لئے آیا ہوں۔ علم و حکمت کا وہ درس دینے کے لئے مامور ہوا ہوں کہ دُنیا بھر کے کتب خانوں میں ایسے عرفان کے موتی تلاش کرنے سے نہیں پاؤگے۔ جو لوگ میرے علم و حکمت کی درس گاہ سے فارغ التحصیل ہوکر علم و عمل کے موتی پھیلانے نکلیں گے۔ دُنیا بھر کے اساتذہ ان کے سامنے زانوئے ادب جھکا کر تلمیذی میں اپنے لئے عزت ڈھونڈیں گے۔ لوگو! تمہارا اِلٰہ اور معبود صرف اللہ ہے یہ اس کا پہلا اعلان ہو۔

آمنہ زہرا حاملہ ہوئیں۔ آپ ان تمام طبعی تکالیف سے جو حاملہ عورتوں کو پیش آتی ہیں۔ مصئون و محفوظ رہیں۔ گویا یوم حمل ہی سے آیاتِ شفقت بالنّساء شروع ہوئیں۔ ماں کی عزت و عظمت کا یہ پہلا نشان تھا۔ جس کا اعلان بعد میں "جنّت تیری ماں کے قدموں کے نیچے ہے" سے ہوا۔

آپ کی ولادت باسعادت کے متعلق دو روایات ہیں۔ بعض کے نزدیک تاریخ پیدائش ۱۲ ربیع الاوّل ہے۔ اور بعض ماہرین طبعیات و سیارات ۹ ربیع الاوّل دوشنبہ (۲۰ اپریل ۵۷۱ء) بتاتے ہیں۔

سلسلہ نسب محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدالمناف اور حضور کی والدہ ماجدہ آمنہ بنت وہب بن عبدالمناف رئیس بنو زہرہ تھیں۔

آپ نجیب الطرفین ہیں۔ دادا عبدالمناف قوم قریش کا رئیس ہے تو نانا عبدالمناف بھی بنو زہرہ کا رئیس اعظم تھا۔

ولادت کے وقت کے نشانات ولادت کے وقت آمنہ نے تین جھنڈے

نصب ہوتے دیکھے۔ ایک علم مشرق میں۔ ایک مغرب میں۔ ایک کعبہ کی چھت پر۔ یہ دیکھ کر ان کی آنکھیں نورِ قدرت سے منور ہوئیں۔ مستقبل حال کی صورت میں آنکھوں کے سامنے آگیا۔ یوں نظر آیا کہ مولود مسعود محمد صلے اللہ علیہ وسلم مسجدِ حرام میں داخل ہوئے۔ بت نکال کر باہر پھینکے جاتے ہیں۔ آپ کے باوقار رفقاء مشرق و مغرب میں جدھر کا رخ کرتے ہیں۔ فتوحات پیش قدمی کو آگے بڑھتی ہیں۔ ہر جگہ اسلام کے جھنڈے گاڑے جا رہے ہیں۔ مشرق و مغرب میں نور کی وہ شعاعیں چمکیں کہ آمنہ زہرہ ان سر کی آنکھوں سے ردمہ کے بعض محل مکہ میں بیٹھے دیکھتی رہیں۔

دوسرا کوئی یہ چیزیں خواب میں دیکھتا ہے۔ مگر حضور کی والدہ ماجدہ نے بیداری میں رائ العین سے دیکھیں۔ وہب کی بیٹی اس میں اپنے بیٹے کی شان دیکھ رہی ہے لیکن خاموش ہے۔ اور سوچتی ہیں کہ جس خدا نے رحمتہ اللعالمین کی ولادت کے وقت مجھ آمنہ سے مادیت کے حجاب ہٹا کر مستقبل کے واقعات حال میں دکھا دیئے ہیں۔ وہی خدا قوتِ شعور میں بھی خیر و شر کے امتیاز کی ایسی حس پیدا کر دے گا کہ قبل وقوع ہر خیر و شر سے آگاہی ہو جائے گی۔

زچگی

روایات میں آیا ہے کہ محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے تولد کے وقت زچگی کی خدمات کے لئے آمنہ کے پاس مریم ام عیلےٰ علیہا السلام، آسیہ مؤمنہ زوجۂ فرعون اور جنت سے حوریں آئی تھیں۔ ہم اس ردّ و کد میں نہیں پڑتے کہ روایات کس حد تک صحیح ہیں۔ امکان وقوع بھی ہے یا نہیں۔ اس لئے کہ ظاہر بین عقول اس روایت پر تعجب کریں گی اور کرتی ہیں۔ فہم و ادراک تحیّر میں ہیں۔ انکار بھی بجا۔ تعجب بھی درست اور حیرانی بھی صحیح ہے۔ چونکہ ہم مادی اجسام میں ان امور کا امکان و ثبوت پیش کر رہے ہیں۔ جن کا وجود

عالم ملکوت سے تعلق رکھتا ہے۔ ہماری ارواح اجسام کی تاریکیوں میں ایسے دبی ہوئی ہیں کہ اہل ملکوت و عالم ملکوت سے بالکل بے خبر ہیں۔ یہ قوت حاصل نہیں کہ صفائی روح سے اس کے آئینہ دل میں ملک و ملکوت کے نقوش نمایاں طور پر پڑ سکتے ہوں، ہم تو آتش نمرود کے ابراہیمؑ پر سرد ہو جانے۔ لوہے کی تیز دھار چھری کا اسمٰعیلؑ کے گلے پر کند ہو جانے، اصحاب فیل کا پرندوں کی گرائی ہوئی کنکریوں سے پچائے ہوئے گھاس سا ہو جانے اور موسیٰ علیہ السلام کی چوبی لاٹھی کا جس سے وہ اپنی بکریوں کے لیے درختوں سے پتے جھاڑتے یا تکان کے وقت اس پر تکیہ لگاتے" اژدھا بننے کے مسائل کو بھی نہیں سمجھ سکتے۔ حالانکہ ان سب کی صحت پر ایمان رکھتے ہیں۔ ان کی صحت کے لئے قرآن کریم میں خداوند تعالیٰ کی شہادت موجود ہے۔

وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا۔

ہاں ہاں میں کہتا ہوں کہ وہ روایات بھی واقعات کی نظر میں بالکل صحیح ہیں۔ حضور کی ولادت باسعادت کے علم پر مریم علیہا السلام اور آسیہ مؤمنہ و حوران بہشتی کا حاضر ہونا عین مصلحت اور لابدی امر تھا اور اخلاق کا تقاضا تھا۔ آسیہ مؤمنہ اور مریمؑ اور جنت کی حوریں عالم ملکوت سے صاف صاف دیکھ رہی تھیں کہ دنیائے ناپائیدار اور حیاتِ مستعار میں نسوانیت کو کس طرح کچلا اور ذلیل کیا جا رہا ہے۔ جسے عورت کہتے ہیں۔ وہ کس ذلت و خواری میں ہے۔ وہ اپنے مصائب و مظالم کی داد چاہے۔ کون دیتا ہے۔ فریاد کرے کون سنتا ہے۔ حقوق پامال ہو رہے ہیں یا نہیں بلکہ حقوق سے محروم ہے۔ گویا حق رکھتی ہی نہیں۔

یورپ کی عورت

اس زمانہ میں یورپ کی عورت اپنے حقوق شخصیت سے بالکل محروم تھی۔ میراث و تملیک میں اسے حق کہاں وہ خود مال و متاع کی صورت میراث میں تقسیم ہوتی۔ ہنسنا کہاں مرضی سے بولنا بھی اس کے لئے جرم عظیم تھا۔ گوشت کھانا حرام۔ بعض لوگ تو یہ کہتے کہ عورت کو وہ روح ہی نہیں دی گئی جس کے ذریعہ اس جہان کے بعد عالم بالا میں اس کا کوئی مقام ہو۔

عرب کی حالت

عرب کی حالت یورپ سے بھی بدتر تھی۔ عورت صرف جنسی میلان کے وقت آتش آز بجھانے کا آلۂ کار تھی۔ یہی عرب کا نظریہ تھا۔ اسی نظریہ کی حدود میں اس سے رابطہ اور واسطہ تھا۔ عرب کی عورت ایک مرد کی بجائے کئی مردوں سے زوجیت کا تعلق قائم رکھنے میں مجبور تھی۔ اس کے ساتھ اس بہیمانہ فعل کو باعث عار بھی نہ سمجھا جاتا تھا اگر بچہ ہوتا تو اس مرد کی گود میں ڈالا جاتا جس سے مولود کو خدوخال میں ظاہراً زیادہ مشابہت ہوتی۔ یا زائیدہ کچھ اتا پتا بتا سکتی۔ کہ فلاں سے یہ حمل قرار پایا۔ ایسے ہی ایک مرد جس قدر عورتیں چاہتا اپنے گھر میں رکھ لیتا۔ حد بندی کا کوئی قانون نہ تھا۔

مال و متاع معمولی سے معمولی قیمت کا کیوں نہ ہو۔ اس کے پانے میں کچھ مسرت محسوس ہوتی ہے۔ عورت ذات کی یہ قیمت کہ گھر میں لڑکی پیدا ہوئی ہے۔ منہ پر سیاہی چھا گئی غصے سے بھر گیا۔ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُم بِالاُنثٰى ظَلَّ وَجهُهٗ مُسوَدًّا وَّهُوَ كَظِيمٌ۔ اتنا ہی نہیں بلکہ لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے۔ گویا اس سے ایسا جرم عظیم سرزد ہوا۔ کہ لوگوں کو منہ دکھانے کے قابل ہی نہیں رہا۔ "يَتَوَارٰى مِنَ القَومِ مِن سُوٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ" (سورۃ نحل پ ع) قرآن گواہ ہے یہی غلط عار اِدت (لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا) کا موجب بنی۔ جیسا کہ ہندوستان میں بیواؤں کا خاوند کی موت کے بعد اپنے آپ کو آگ کی نذر کر دینا۔ شرافت کا نشان سمجھا جاتا تھا۔ ایسا ہی عرب کی لڑکیوں کو زندہ دبا دینا عیب نہ تھا۔ نہیں نہیں بلکہ لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا ستی سے بھی بدترین ظلم تھا۔ قسی القلب باپ کا اس معصوم بچی کو جس کا ماں کی گود اور باپ کے پہلو کے بغیر کوئی ملجا و ماویٰ ہی نہیں۔ اپنے ظالم ہاتھوں سے زمین کی گود میں سلا دینا اور اوپر منوں مٹی کے انبار لگا دینا کس قدر عورت ذات پر ظلم تھا۔ وَاِذَا المَوءُدَةُ سُئِلَت بِاَیِّ ذَنبٍ قُتِلَت۔ اے انسان اس دن کو یاد رکھ جس دن تم سے پوچھا جائے گا کس جرم میں تو لڑکیوں کو زندہ درگور کرتا تھا۔ غرضیکہ نسوانیت کے حق میں انسانیت

اس حد تک گر چکی تھی کہ انسان میں انسانیت گویا فطرتاً مفقود ہو چکی ہے۔ کسی وحشی جانور بھی جب دیکھتا ہے کہ اس کے بچے کو کوئی موذی اذیت کی نگاہ سے دیکھ رہا ہے۔ کیا کچھ نہیں کر گذرتا۔

ذرا اور آگے بڑھیں تو نظر آتا ہے۔ کہ باپ کی منکوحہ عورتیں میاں کے مرنے کے بعد مال ومتاع کی صورت بیٹوں میں میراث کے طور پر تقسیم ہو رہی ہیں۔ بیٹے کے لئے جو کل ماں کا حکم رکھتی تھی آج جورو ہے۔ اللہ نے روح کائنات کے صدقے عورت پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی عاطفت ورأفت کے نشانات ظاہر کرنے کے لئے اعلان فرما دیا۔ لوگو! جن عورتوں سے تمہارے باپ نکاح کر چکے ہیں۔ ان سے تم نکاح نہ کرو۔ جو گذر چکا وہ گذر چکا۔ اب اس بے حیائی کا ارتکاب نہ کرو۔ ورنہ تمہاری یہ بے حیائی اللہ کی ناراضگی کا موجب ہوگی۔ یہ بہت ہی برا طریقہ ہے۔ (پ) لَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ، یہ سب جہالت کے سبب انسانیت پر قہر الہٰی تھا۔ جس نے صنف نازک کو شل کر کے زاویۂ نسیان میں دبا دیا تھا۔

مگر قادر مطلق کی مشیت میں یہ امر مقدر تھا کہ جب بھی روح کائنات محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہو۔ انسانیت تجدید پائے۔ اور عورت ذات میں اس روح مبارک کا اس قدر فیضان ہو کہ نسوانی حیات اپنے پورے جلال وجمال سمیت عفت وعصمت کے زیورات سے مزین ہو کر شان وشوکت سے عود کر آئے۔ عورت وقار واعتبار کے لحاظ سے عرش کی مکین ہو۔ وہ لوگ جھوٹے ثابت ہوں جو کہتے تھے کہ عورت کے لئے روح نہیں اس کا عالم بالا میں کوئی مقام نہیں۔ متاع دنیا میں بھی اس کی کوئی حقیقت نہیں۔

محمد صلے اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ رب العزت نے ان کی بعثت کے صدقے عورت ذات سے تمام پابندیاں دور کر دیں۔ اور فرمایا اے محمدؐ! اپنی امت کو سنا دے۔ اسلام قبول کرنے والوں کو حکم دے دے۔ کہ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ"

عورتوں سے احسان کی زندگی بسر کرو۔ "وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ" ان کے لئے اتنا ہی ہے جتنا ان پر ہے یعنی جتنے حقوقِ آسائش و معیشت تم اپنے اُن کے ذمّے رکھتے ہو۔ انہیں بھی تم پہ اتنا ہی حق ہے۔ ہاں نظامی معاملات میں مردوں کو ان پہ ضرور فوقیت ہے "لِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ" اس میں عورت کا کچھ بگڑتا ہی نہیں۔ ساتھ یہ بھی فرمادیا کہ جس طرح مرد اپنی کمائی کا پھل پائیں گے۔ ویسے ہی عورتیں بھی دنیا و آخرت میں اپنے اعمال کی جزا سزا کی مالک ہوں گی۔ "لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ" گویا عورت کو اس کے پورے حقوق جن سے وہ پیشتر محروم تھی۔ روحِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے پر حاصل ہو گئے۔ حیاتِ مستعار میں مرد کے برابر مکلّف ہے۔ اپنے مقررہ وظائف کی حدود کے اندر مرد کے پہلو بہ پہلو کھڑی ہو سکتی ہے۔ روحانی ترقی جس حد تک مرد کر سکتا ہے۔ وہ بھی چاہے تو وہاں تک پہنچ سکتی ہے۔ اس کی ترقی کے راستہ میں کوئی امر مانع نہیں ہے۔ عزمِ صمیم اس کے اپنے بس میں ہے۔ امّہات المؤمنین کے باعزّت لقب سے ملقّب ہوئی ہے۔

اب واضح ہوا۔ اور حقیقت منکشف ہوئی کہ حورانِ بہشتی اور مریم صدیقہ نے سرورِ کائنات کے تولّد پر زچگی خدمات کیوں ادا کیں۔ جب بعثت روحِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کے صدقے صنفِ نازک پر یہ فیضانِ الٰہی ہوا اس قدر حقوق ملے۔ اتنی فائز المرامی ہوئی اور عالمِ ملکوت میں مریم صدیقہ اور آسیہ مؤمنہ اپنی جنس کی یہ کامیابی دیکھتی ہوں۔ پھر ایسی پاکیزہ روح کی ولادت پر شکر گذاری کے لئے اس کی ماں کی خدمت میں مریم صدیقہ اور آسیہ مؤمنہ کا حورانِ بہشتی کی معیت میں تشریف لانا کوئی عجب نہیں۔ پاکیزہ روحوں کا یہ فطری خاصہ ہے۔ گو عوام اس حکمت کے سمجھنے سے قاصر ہیں کہ ارواحِ زکیّہ ہر وقت امداد و اعانتِ خیر کے لئے موجود رہتی ہیں۔

قانون الٰہی

عامی اذہان سمجھتے ہیں۔ کہ یہ امر قانون قدرت کے خلاف ہے۔ خلاف ہوگا۔ پہلے یہ تو معلوم کریں۔ کہ وہ کونسی عقل و دانش ہے۔ جو قانون قدرت پر حاوی ہو سکتی ہے۔ بھلا قانون قدرت کس کے احاطہ فہم و ادراک میں آسکتا ہے۔ الٰہی قانون کا عام اصول تو خود اللہ تعالےٰ نے فرما دیا۔ اِذَا اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ۔

ذرا تفصیل کی طرف جائیں تو معلوم ہوتا ہے۔ قانون الٰہی کے دو پہلو ہیں۔ (۱) عادی قانون (۲) ارادی قانون۔ عادی قانون تو یہی ہے کہ جس کے مطابق سورج۔ چاند۔ ستارے اپنے مسالک میں سرعت سے چکر کاٹ رہے ہیں۔ مگر کیا مجال کہ ایک دوسرے سے ٹکرائے۔ رات دن پر سبقت نہیں کر سکتی۔ دن رات سے پہلے نہیں آسکتا۔ کُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ سب اپنی اپنی جگہ چل رہے ہیں۔

ارادی قانون یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ جس وقت جو چاہے جس طرح چاہے کرے۔ مشیت کے مانع کوئی چیز نہیں۔ اسی ارادی قانون کے ماتحت اصحاب فیل کنکریوں سے تباہ ہوئے۔ ثمود و عاد درشت آواز اور باد صرصر سے پٹ گئے۔ ابراہیمؑ کے لئے نار گلزار ہوئی۔ موسیٰ علیہ السلام کا چوبی عصا اژدہا بنا۔ ان تمام امور کو کون کہہ سکتا ہے کہ یہ خلاف قانون قدرت ہوئے۔ جب یہ امور خلاف قانونِ الٰہی نہیں تو مریم صدیقہ۔ آسیہ مومنہ اور جنت کی حوروں کا اپنے آقا رحمۃ للعالمین رؤف و رحیم کے شکر قدوم میں اس کی ماں کے پاس آنا اور زچگی خدمات ادا کرنا تعجب و تامل کا موجب کیسے ہوا۔

یہ تھی روح کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی وہ رأفت اور رحمت اور اسلام کا نسوانی دنیا پر وہ احسان جس کے بوجھ سے تا ابد وہ کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتی۔

ناشکری اور نیرنگی زمانہ

اب زمانہ کی نیرنگی دیکھو اور ناشکری پر قیاس کرو کہ حال کے بعض مستورات جو جزوِ قلیل ملکہ اقل کا عشر عشیر ہیں۔ مغربیت سے متاثر ہیں۔ ماموّلات کے نتائج و ثمرات سے بے خبر ہیں۔ قبل اسلام کی عورت کا تاریخ میں مطالعہ نہیں کیا۔ اپنی حریّت اور حقوق کا ان سے موازنہ نہیں کیا اسلام کے احسانات کو پس پشت ڈال کر رأفت و رحمت مصطفوی کی طرف سے نظر بند کر کے اپنے وظائف و حدُود سے باہر قدم رکھتے ہوئے ایسی خواہشات میں پھنسی ہیں اور اس قسم کے مطالبات چاہتی ہیں کہ اگر وہ مان لئے جائیں تو وُہ دن دُور نہیں جب زمانہ قبل از اسلام نسوانی دُنیا کے لئے عود کر آئے۔

مرد اس کی محبت میں اتنا فریفتہ ہے اور اتنا قیمتی متاع تصور کرتا ہے کہ اس پر اپنے عزیز ترین دوست کی بھی غیرت سے نظر پڑنا گوارا نہیں کرتا۔ ماں باپ ایسے مجازی رب اور محسن چھوٹ سکتے ہیں۔ مگر یہ گھر کی زینت دل کی راحت دم بھر کے لئے عبوس و مایوس نہیں دیکھی جا سکتی۔ اس کے سرور سے دل میں سرور پاتا ہے۔ اس کی خوشی میں اپنا چین و آرام جانتا ہے کہ وُہ حرم سرا کے اندر گھر کی ملکہ عیش و آرام کی زندگی بسر کرے۔ وہ جو منہ مانگے۔ یہ مہیّا کرے۔ جہاں سے ملے لائے۔ مشقت سہے۔ جاڑے جھیلے۔ عرق بہائے۔ بوجھ اٹھائے۔ اپنی رفیقۂ حیات کی خدمت میں کوتاہی نہ ہو۔ اس کے لئے سب کچھ تیار کرے ؎

محبت است کہ دل را نے دہد آرام
وگرنہ کیست کہ آسودگی نے خواہد

اس کے معاوضہ میں صرف اتنی خواہش رکھتا ہے کہ جب تھکا ماندہ گھر آئے تو بیوی تیوری نہ چڑھائے۔ کشادہ پیشانی سے ہنس کر دو باتیں کر لے۔ سب تکان دُور ہو جائے گی۔

ادھر یہ حالت ہے کہ اسلام کی احسان فراموش ناشکرگزار اللہ کی بندی موسےؑ کی قوم کی طرح "من اور سلویٰ" چھوڑ مِنْ بَقْلِهَا وَ قِثَّآئِهَا وَ فُوْمِهَا وَعَدَسِهَا کے لئے دامن پھیلاتی اور ہاتھ بڑھاتی ہے۔ کہتی کیا ہے۔ مجھے گھر کی زندگی گوارا نہیں۔ مردوں کے برابر میرے حقوق ہوں۔ ان کے پہلو بہ پہلو فوج کی سپہ سالاری کروں۔ عدالت میں جج کے اختیارات حاصل ہوں۔ وکالت میں میرا حصّہ ہو۔ دفتروں میں کلرکی کی کرسی ملے۔ نظام حکومت میں میرا برابر حق ہو۔ یہاں تک کہ بعض حریّت کا مفہوم یہ سمجھنے لگیں۔ کہ اگر مرد چار یا کم وبیش عورتوں کو رفیقہ زندگی بنا سکتا ہے۔ تو میرے لئے بھی اس امر میں کوئی قانون سدِ راہ نہ ہو۔ چار دیواری کے اندر یا برقعہ میں ہمیں بند رکھنا ہم سے پیار رکھنے یا ہمارے قیمتی متاع ہونے کی دلیل نہیں۔ یہ تو ہم پر بے اعتمادی کا اظہار ہے۔ "لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ"۔ ممکن ہے اور ضرور ہے کہ بعض مرد گندی ذہنیت کے مالک ہوتے ہیں۔ اپنی راحتِ جان کو خود اپنے لئے وبالِ جان بنا لیتے ہیں۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی سوچیں ساری عورتیں بھی تو یکساں خیالات کی نہیں۔ ؎

نہ ہر زن زن است و نہ ہر مرد مرد
خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد

اور حقیقت یہ ہے کہ یہ سب کچھ روحِ اسلام سے جہالت اور دوری کے سبب ہے اگر مرد اور عورتیں مل کر قانونِ الٰہی کو اپنا لیں۔ تو سب شکایات اور تکلیفات خود بخود دُور ہو جائیں۔ عورت کو مرد سے شکایت نہ رہے۔ مرد عورت سے دکھی نہ ہو عورت کی حقیقی آزادی ان مطالبات کے پُورا ہونے میں نہیں جو وہ چاہتی ہے جس اسلام نے پہلے عورت کو نجات دلائی اب بھی وہی اسلام اس کے تمام مرضوں کا علاج ہے۔ اللہ سمجھنے کی توفیق دیوے۔

یہ سب کچھ جملہ معترضہ کی صورت درمیان میں آگیا۔ اصل بیان تو روحِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے وقت خاص نشانات کے ظاہر ہونے کا تھا۔

ایوانِ کسریٰ میں زلزلہ

جونہی سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کا نُور عالم ارض وسما میں چمکا۔ زمین تھرتھرا گئی۔ آسمان میں نئی جان آگئی۔ سُورج چاند وغیرہ کواکب اپنے نئے اثرات اہل دُنیا پر نثار کرنے کے لئے کمربستہ ہوگئے۔ تولد کے وقت نوشیرواں کا زمانہ تھا۔ حضور سرورِ دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فخر سے فرمایا ہے۔ وُلِدْتُ فِيْ زَمنِ الملكِ العادل " میں عادل بادشاہ کے زمانہ میں پیدا کیا گیا۔

کسریٰ اس امر سے غافل تھا کہ ملائکہ مُدَبِّرات فِي الامر۔ آسمان پر کیا سوچ رہے ہیں۔ وُہ خدا کو بھُولا ہُوا اس سے بے خبر تھا۔ کہ کائنات میں کس رُوح کا ظہور ہُوا ہے۔ آپ کی ولادت مجوس کے لئے انذارِ عظیم تھی۔ تمام آتشکدے جو سینکڑوں سالوں سے معبد بنے ہوئے تھے دفعتہً بُجھ گئے۔ ایوانِ کسریٰ میں ایسا لرزہ ہُوا کہ عالی شان محل کے چودہ بلند کنگرے ساجدًا زمین پر آ پڑے۔ آپ بشیر و نذیر ہیں۔ بعثت کا پہلا انذار یہ ہُوا۔

یہ بشارت تھی کہ تمام غیراللہ کے پجاری اسلام قبول کریں گے۔ آگ پتھروں اور ستاروں کے پوجنے والے اب رب النار۔ رب الاحجار اور رب الکواکب کے سامنے سر جھکائیں گے۔ اللہ کا فرشتہ اللہ سے پیغام لائے گا۔ اور اللہ کا رسول قرآن و حکمت کی تعلیم دے گا۔ اب زمین کی طرح آسمان میں بھی نیا نظام قائم ہوگا۔ جہاں پہلے شیاطین سماوی خبریں چرانے کو آسمانی رصدگاہوں میں کان لگائے بیٹھے رہتے تھے۔ وہاں کی نگرانی اس قدر سخت کردی گئی ہے کہ شیاطین کا داخلہ وہاں ابدًا ممنوع قرار پایا۔ وَ اَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّ شُهُبًا الخ ہم نے آسمان کو ٹٹولا۔ لیکن اُسے چوکیداروں سے بھرا ہُوا پایا۔ اس سے پیشتر آسمان کے ٹھکانوں میں ہم خبریں سننے بیٹھتے تھے۔ اب اگر کوئی سُنے تو آگ کے شعلے پڑتے ہیں۔ (پ ۲۹)

آپؐ کی پیدائش علیسوی معجزانہ تولد کے خلاف بالکل سادہ تھی۔ لعض فکر اس الجھن میں پڑ کر رہ جاتے ہیں کہ ایسا کیوں ہوا۔ یہ ظاہر امر ہے کہ عیسٰی علیہ السلام کو اس پاکیزہ فطرت عذرا نے جنا جسے انسانی ہاتھ نے چھوا بھی نہیں تھا۔ وہ رسول حق تھا۔ لوگ رسالت پر ایمان لائے۔ مگر نتیجہ یہ ہوا۔ تھوڑے عرصہ بعد آنے والے لوگوں نے اسے معبود اور الٰہ ماننا شروع کر دیا۔ بلکہ بعض نے مریم عذراء کی تقدیس میں بھی غلو کیا کہ اسے بھی قربتہ الی اللہ کے باعث معبودہ سمجھ بیٹھے اور یہ معجزانہ پیدائش امت علیسوی کی بھٹک اور گمراہی کا باعث ہوئی صاحب معجزہ پر دل لگا کر خالق معجزہ کو دل سے بھلا بیٹھے مادہ اور اس کے خواص کو جب دیکھا کہ وہ اپنے امکانی قانون کے دائرے سے باہر کام کر رہا ہے۔ اس کی پرستش شروع کر دی۔ روحانیت اور امن کی شان کھو بیٹھے۔ کَانَ الْاِنْسَانُ جَهُوْلًا۔

اللہ کریم کسی قوم پر حجت پوری کئے بغیر عذاب نازل نہیں فرماتے نبی ہر زمانہ میں آتے رہے۔ ہر ایک نبی نے حدود مقررہ کے اندر اپنی اپنی قوم اور امت کو اللہ کا پیغام سنایا۔ اب کائنات کا تقاضا تھا کہ رسالت عامہ ہو۔ مشیت باری تعالٰے میں بھی یہی ہوا کہ ایسا کامل و اکمل رسول بھیجا جائے۔ جو کافتہ للناس میں اعلان کر دے۔ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ اس نے نہ کسی کو جنا نہ وہ خود کسی سے جنا گیا۔ کوئی اس کا رشتہ دار نہیں۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ الخ

عیسٰی علیہ السلام کی رسالت معجزانہ ضرور تھی۔ لیکن فتنہ تھی۔ اور صرف اسرائیلی بھولی بھٹکی بھیڑوں کے لئے تھی۔ ان میں سے بھی اکثر نے رکاوٹیں پیدا کیں۔ اذیتیں دیں۔ معاوضے لئے۔ صلیب چڑھانے تک کی ناکام کوششیں کیں۔ اور ذلیل ہوئے۔ اور ان میں سے جو باقی بعض ایمان لائے وہ آپ سے تھوڑے دن بعد محبت کے غیر مرضیہ طریقے اختیار کر کے گمراہ ہو گئے۔ رسالت کی غرض و غایت نامکمل رہی۔

اب مشیت الٰہی نے چاہا۔ کہ رسول گو ابراہیمؑ کے حسب نسب سے ہو لیکن اسرائیلی نہ ہو۔ اور اس کی ولادت بھی بالکل سادہ محض عام بشری قانون کے مطابق

ہو. تاکہ لوگ اس کی پرستش میں نہ پڑیں۔ لیکن شان میں یوں کہیں ؎

دع ما ادعتہُ النصاری فی نبیّھم
واحکو بما شئت من مّافیہ و احتکم

ترجمہ۔ جو کچھ نصاری نے اپنے نبی کے متعلق تعریف بیان کی۔ وہ غلو چھوڑ دے۔ اس کے علاوہ جس درجہ تعریف کر سکتا ہے۔ بیان کر اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا فرمانبردار بندہ رہ۔

اِنتخاب

اب اللہ کو رسول کا انتخاب کرنا تھا۔ ایسے آدمی کی ضرورت تھی جس کی رُوحانی قوت تمام خلائق کے رُوحانی پلڑے کے معادل ہو۔ بلکہ یہ پلڑا جھکا ہوا ہو۔ کیونکہ اسے بھاری بھرکم بوجھ اٹھانا ہے۔ سَنُلْقِیْ عَلَیْکَ قَوْلًا ثَقِیْلًا۔ جن لوگوں میں رسول کو مبعوث ہونا ہے۔ ان میں یہود بھی موجود ہیں۔ نصاریٰ بھی ہیں۔ مجوس بھی ہیں۔ وثنی۔ صابی اور مشرک بھی ہیں۔ غرضیکہ ہر قسم کی غوایت اور تہ در تہ ضلالت میں سرگرداں پائے جاتے ہیں۔ رسول کو ان سب مختلف الخیال لوگوں سے واسطہ پڑنا ہے۔ اور یہ بھی طبعی امر ہے۔ کہ "الکفر ملۃ واحدۃٌ" سب اکٹھے ہو کر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ و جدال کا محاذ قائم کریں گے۔ اب سوچ و بچار پکار اٹھی کہ کوئی ایک بدنی قوت یہاں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اور نہ ہی اتنے مادی قویٰ کے مقابل کسی ایک قبیلہ۔ جماعت یا فرد کی طاقت ہے۔ کہ اس کثرت کا مقابلہ کوئی مادی قوت کر سکے۔ یہاں تو ایک قوی رُوح کی ضرورت ہے۔ "وما ادراکَ ما الروح۔

رُوح کا وجُود

رُوح بھی ایک لاینحل اور اصعب ترین مسئلہ ہے۔ کیونکہ اسے اشیائے مرئیہ سے تشبیہہ نہیں دی جا سکتی۔ قرآن کریم نے بھی اس کی وضاحت "الرّوح من امر ربّی"

سے زیادہ نہیں فرمائی۔ مادی اور محسوس اشیاء میں سے کوئی چیز اس کی دلیل میں پیش نہیں کی جا سکتی۔

انسان عقل و رُوح اور جسم سے مرکب کا نام ہے۔ اور یہ امر بھی یقینی ہے۔ کہ جسم اور رُوح دو علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں۔ جس کی دلیل یہ ہے کہ انسان مفکر و عاقل ہے۔ اس لئے اس سے افعال اس کے ارادہ سے ظاہر ہوتے ہیں۔ جسم مادی ہے۔ جمادات میں عقل و فکر نہیں ہوتا اس سے معلوم ہوا کہ انسان میں مفکر و عاقل جو ہے وہ ماورای الجسم ہے۔ وہی چیز رُوح ہے۔ اس لئے بھی ہم کہتے ہیں کہ رُوح جسم کا غیر ہے۔ جسم ابعاد ثلاثہ کو قبول کرتا ہے۔ اور رُوح طول عرض عمق ہر سہ ابعاد سے خالی ہے۔ یعنی انسان میں فکر و عقل جسم سے علیحدہ ایک قوت ہے۔ جب یہ امر ربیؐ جسے روح کہتے ہیں۔ جسم نہ ہُوا تو یہ معلوم ہُوا کہ رُوح جسم میں حلول نہیں کرتا۔ اور نہ کوئی جسم روح میں حلول کر سکتا ہے۔ اس کی معمولی مثال یوں ہے جیسا کہ آپ اپنی صُورِ خیالی کو کسی مکان کے اندر تصوّر کی آنکھوں کے سامنے لا کھڑا کریں۔ وُہ نہ اس میں داخل ہیں نہ اس سے باہر۔ حالانکہ یہ صُورِ خیالیہ رُوح نہیں ہیں۔ صرف رُوح کے جسم پر تصرف کے ذریعہ ان کا وجود و بروز ہُوا۔ پھر اگر عقل و فکر کا متعلق جسم کے ساتھ ہوتا تو ماننا پڑتا کہ جمادات میں بھی وہی عقل و فکر ہے۔ یا موت کے بعد بھی انسان میں حرکت تکلم موجود ہوتا ہے۔ چونکہ یہ باتیں مشاہدہ کے خلاف ہیں اور ایسا نہیں ہوتا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ رُوح نہ جسم ہے نہ جسم کا حِصّہ ہے۔ اس لئے کہ اگر یہ جسم کا حِصّہ ہوتا تو موت کے بعد بقدرِ حِصّہ میت کا وزن کم ہو جاتا ہے۔ جب ایسا نہیں رُوح جسم نہیں۔

رُوح کی حقیقت اس قدر معلوم ہوگئی کہ رُوح موجود ہے نہ وہ جسم ہے نہ جسم کا حِصّہ۔ نہ جسم میں حلول کرتا ہے۔ نہ کوئی جسم اس میں حلول کرتا ہے۔ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ۔

رُوح کی قوّت

رُوح مجرد ہے۔ واحد ہے۔ اس کی صفات عین ذات ہیں۔ کیونکہ اگر صفات غیر ذات ہوں۔ ترکیب اور جسمیّت لازم آئے گی۔ ہم براہین سے پہلے واضح کر چکے ہیں کہ روح نہ جسم ہے نہ مرکب ہے۔ مرکب فنا پذیر ہوتا ہے۔ روح میں فنا نہیں۔ رُوح صغر و کبر کی صفات سے بھی پاک ہے۔ چونکہ بڑا چھوٹا ہونا اجسام کا خاصہ ہے۔ البتہ اس کی قوت میں کمی بیشی ہوتی ہے۔ کبھی اس میں وہ قوت پائی جاتی ہے۔ کہ پہاڑ کو زمین سے اکھاڑ دے اس کی طبعیت تبدیل کر دے۔ پتھر کو سونا بنا دے۔ سونے کو خاکستر کر دکھائے۔ کراماتِ اولیائے کرام اسی روحانی قوت کا کرشمہ ہیں۔

شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ دہلوی کے کمالات میں ذکر ہے۔ کہ کسی ہندو یا عیسائی نے طنزاً کہا۔ شاہ صاحب تمہارے قرآن نے دعویٰ کیا ہے۔ تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ۔ وُہ ہر چیز بیان کرتا ہے۔ آپ بتائیں کہیں کوئی کیمیا کا نسخہ بھی قرآن میں لکھا ہے۔ یا یونہی دعوٰی ہی دعوٰی ہے۔ جلالیت طاری ہوئی۔ آپ جذبہ میں آکر فرمانے لگے۔ قرآن کا دعوٰی صحیح ہے۔ اگر کیمیا کا تجربہ کرنا ہو تو کسی دھات کا ٹکڑا لاؤ۔ میں سونا بنا دکھاؤں۔ سائل دھات کا ٹکڑا لایا آپ نے قرآن کی کوئی آیت پڑھ کر پھونک ماری۔ دھات سونا ہو گئی۔ فَبُھِتَ الَّذِیْ کَفَرَ۔ کافر بھونچکا سا رہ گیا۔ اس نے عرض کی۔ شاہ صاحب مجھے بھی اس آیت کا عمل بتائیں۔ فرمایا نادان الحمد سے والناس تک جونسی آیت پڑھ کر پھونکیں ہر چیز سونا ہو جائے گی۔ لیکن پہلے زبان وُہ پیدا کرو۔ جس زبان سے عبدالعزیز نے قرآن پڑھا۔ یہی رُوح کی قوت تھی۔

سعدی کے دوست کا قصہ بوستاں میں مشہور ہے۔ جسے ملاح نے اس کے پاس کشتی کا محصول نہ ہونے کے سبب کشتی پر سوار نہ کیا۔ اسی کنارے غریب کو چھوڑ کر

چل دیا۔ جب کشتی دوسرے کنارے پہنچی وہی فقیر دوسرے کنارے مزے مزے ٹہلتا پھرتا ہے۔ لوگ متعجب ہوئے کہ یہ کیا کرشمہ ہے۔ فقیر نے استغنا سے سر اٹھایا اور کہا یہ تعجب کا کونسا مقام ہے۔ شعر "ترا نا خدا بر د مارا خدا" یہ سب روحانی قوت کے کرشمے ہیں۔

رُوح میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔ اگر تو چاہے تو رُوح کی اسی طاقت کے ذریعہ پہاڑ کو ٹکڑے ٹکڑے کرسکتا ہے لیکن جس جسم کے ساتھ اس روح کا انطباق ہے۔ یا جو جسم اس روح کے لئے گھر کی مانند یا آلہ سواری یا مسکن ہے۔ روح کو اس جسم کے بقا کا خیال رہتا ہے۔ جب وہ جسم ختم ہوجاتے۔ رُوح کے لئے بھی اس عالم میں بقا نہیں جس کے فنا ہونے کے بعد اس کا مقر یا مقام اعلےٰ عِلّیّین یا اسفل السافلین ہوتا ہے۔ جبکہ روح کو اس جسم کے ساتھ جو اس کا مقام یا مسکن ہے۔ ایک قسم کا انس محبت اور عشق ہوتا ہے۔ جب تک جسم اس عالم میں رہے روح بھی اسی عالم میں رہتا ہے۔ جب جسم نہ رہے روح کو بھی یہ عالم چھوڑنا پڑتا ہے۔ لیکن اس جسم سے علیحدگی کے بعد بھی رُوح کی نظر اس کی طرف رہتی ہے روح میں جسم سے تجرد کے بعد بھی وُہ قوت موجود رہتی ہے۔ کہ پہاڑ کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکے۔ انبیائے کرام اولیائے عظام اور ساحر میں یہی روح کی قوت ہوتی ہے۔

جسم سے روح کا تجرد جب ہوتا ہے۔ تین حالت سے خالی نہیں یا تو تجرد محض اللہ تعالےٰ کی رضا کے لئے ہوتا ہے۔ جیسا کہ انبیاء کرام کا رُوح یا اللہ اور اس کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی رضا میں ہوتا ہے۔ یہ صورت اولیائے کرام میں پائی جاتی ہے۔ یا دونوں کی رضا کے خلاف ہوتا ہے۔ یہ تیسری صورت ساحر میں ہوتی ہے۔

مسمریزم

زمانِ حاضرہ میں ایک ایسی جماعت پیدا ہو گئی ہے۔ جو حقیقت سے

بھی انکاری ہے۔ جنّات و شیاطین کا وجود بھی وہم و گمان خیال کرتی ہے۔ بلکہ اس کے ماننے والوں کا تمسخر اڑاتی ہے۔

یہ لوگ تاثیرات قوائے روحانیہ سے مختص طریقوں پر مشق کر کے ارواح کو حاضر کرتے ہیں اسے مسمریزم یا علم تنویم (خوابانیدن) کہتے ہیں۔ شرعاً اس علم کا عمل میں لانا جائز نہیں کیونکہ یہ شیطانی پھونکوں سے خالی نہیں بعض لوگوں کے لئے یہ علم شغل ہے۔ بلکہ فنِ معاش ہے۔ مسمریزم چونکہ فساق و فجار اور غیر متدین لوگوں کے دستِ تصرف میں ہے۔ اس لئے اس کے خرقِ عادت امور کے ظہور پر بھی کرامت کا شبہ نہیں گذرتا بلکہ اسے سحر۔ کہانت اور استدراج سے تعبیر کرتے ہیں لہٰذا بہرصورت کچھ بھی ہو منکرین قوائی روحانیہ کے لئے مسمریزم مُسکت جواب ہے۔ اس کے بعد وُہ روح اور روح کے افعال کا انکار نہیں کر سکتے۔

جب معمول عامل کے عمل میں پورے طور پر آجاتے۔ سر لیٹا نیند جو ایک قسم کی غشی ہے۔ قبول کر لیتا ہے۔ جس قدر عامل کا اثر قوی ہو معمول زود تر اطاعت قبول کرتا ہے۔ اور عامل کے زیر اثر ہو کر اپنی تمام حرکات اور کلام اس کے تابع کرتا ہے۔ اگر عمل قوی نہ ہو تو نیند تک بھی نہیں آتی۔ اور نہ وہ عامل کا کوئی اور اثر قبول کرتا ہے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ عمل دیر تک جاری نہیں رکھا جا سکتا ورنہ معمُول پر وقوعِ موت کا خطرہ لاحق ہوتا ہے۔

اس علم نے اب حرفت اور ذریعہ معاش کا حکم پالیا ہے۔ اکثر افرنجی آیشیائی مرد عورتیں اسے حاصل کرتے ہیں۔ اور عمل میں لاتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض نے اس دھوکا میں اولیائے کرام کی کرامت کو بھی اسی نوع میں خیال کر لیا ہے۔ حالانکہ یہ وہم فاسد اور گمانِ غلط اصل سے جہالت کے سبب سے ہے۔ بھلا ایک وُہ روح جس کی تربیت تزکیۂ نفس اور تقدیس و تسبیح باری تعالیٰ سے پاک نفوس پاک ہاتھوں میں ہوئی ہو۔ دوسرے وُہ رُوح جو شیاطین۔ فساق و فجار اور بارگاہ ایزدی سے راندے ہوئے نافرمان ہاتھوں ہو۔ دونوں روح ایک جیسے کیسے ہو سکتے ہیں۔ آفَنَجْعَلُ

اَلْمُسْلِمِیْنَ کَالْمُجْرِمِیْنَ۔

نتیجہ یہ ہُوا کہ اگر انسان رُوح کو کدوراتِ بشری سے پاک صاف کرے۔ ذاتِ ربّ العزت کی تسبیح و تقدیس اور تہلیل و اذکار کی کثرت سے آئینہ رُوح کو صیقل کرے۔ رات دن مشاغل ملائکہ میں منہمک ہو کر جسم و قلب سمیت دنیائے دنیہ سے اعراض کرے۔ حق کی طرف مائل ہو۔ اسی عمل پر پُوری مشق کرے۔ اور اتنی مشق کرے۔ کہ یہ عمل اس کے خلق میں جبلّی اور فطری ہو جائے۔ جیسا کہ سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے "وَاجْعَلْ حُبَّكَ اَحَبَّ اِلَيَّ مِنَ الْمَآءِ الْبَارِدِ عَلٰى كبدا الظمأن" اپنی محبت مجھ سے اتنی لگا اور میری اتباع میں اس قدر خواہش کر جتنی کہ سخت پیاسے جگر کو ٹھنڈے میٹھے پانی سے ہوتی ہے۔

جب اس کی پُوری مشق ہو جائے گی۔ اور لمبے عرصہ تک تو اس میں لگا رہے گا۔ تو تو اس حالت میں پہنچ جائے گا۔ کہ عالم ملائکہ کے بغیر تیرے دل میں کوئی خیال تک نہ گذر سکے گا۔ بلکہ ملائکہ کی تسبیح و تقدیس کی آواز بھی تیرے کانوں میں گونجے گی۔ نہ شر کا خیال اور نہ افعالِ غیر پسندیدہ کا تجھ سے صدور ہوگا۔ کیونکہ افعالِ بد نہ ملائکہ کی دُنیا میں ہوتے ہیں۔ اور نہ ان سے بُرائی و شر کا وقوع ہوتا ہے۔ بدی شیاطین کا خلق ہے۔ یہ ملائکہ کی صفت نہیں۔

جوں جوں اس کی مشق اور زیادہ کرتا جائے گا۔ روحانی قوت تیز تر روشن تر اور قوی تر ہوتی جائے گی۔ ترقی کرتے کرتے ایک روز اس عروج پر مقام ہوگا۔ گویا اپنے جسم سمیت تو ملائکہ کی دُنیا میں بسیرا رکھتا ہے۔ ملائکہ سے تجھے خاص نسبت ہو جائے گی۔ ان کے انوار تجھ پر چمکیں گے۔ اسرار منکشف ہوں گے۔ گویا جسم بھی روحانیت میں تحلیل ہو گیا ہے۔ خوارق عادات امور ذرا سی روحانی توجہ کے ساتھ ظاہر ہوں گے۔ مساواتِ بعیدہ سے ہر چیز آنکھوں کے سامنے نظر آ سکے گی۔ پس پشت پڑی مقفل کتابیں آنکھیں بند کر کے پڑھتا جائے گا۔ ہزاروں میل کا سفر تیرا ایک قدم ہوگا۔ اولیائے کرام کے لئے طیّ مکان اور طیّ زمان کی یہی صورت ہے۔ اسی خرقِ عادت کے

ظہور کا دوسرا نام کرامت ہے۔ اس کے حصول کے دو طریق ہیں۔ پہلا طریق تو شریعت ہے۔ دوسرا طریق اشراق جس کے پیرو اشراقین کہلاتے ہیں۔ یہ دوسرا طریق یونانی فلاسفر ارسطو کی طرف منسوب ہوتا ہے۔

پہلے طریق سے صرف وہی کامیاب ہو سکتا ہے۔ جو شریعت محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے سرِمو باہر نہ ہو۔ اور دوسرے طریق کے ذریعہ ہر یہودی۔ نصرانی۔ بُت پرست آتش پرست وغیرہ کوئی بھی کامیاب ہو سکتا ہے۔

اس تمہید کے بعد ہم بے جھجک کہہ سکتے ہیں کہ جب فقراء ہنود سے بھی خرق عادت کا صدور ہو جسے استدراج کہتے ہیں۔ اور ارسطو کے پیرو بھی ایک روحانی مشق سے خرق عادت کا مصدر بن جائیں۔ تو کیوں روح کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کے روح میں اتنی قدرت نہ ہو۔ کہ کائنات کی ہر چیز کو جہاں چاہے حرکت دے۔ کیا یہ عجیب ہے کہ آپ چاند پر نظر ڈالیں۔ جدھر نظر پھیریں چاند ادھر ہی پھر جائے۔ آپ کے رُوح پاکیزہ کے لئے یہ معمولی بات تھی۔ رُوح میں قوت موجود تھی اس قوت کا استعمال کرنا مصلحت وقت پر ہوتا ہے۔

دُرِّ یتیم کی یتیمی

آپ کے پیدا ہونے سے پہلے والد ماجد دُنیا سے رخصت ہو چکے تھے۔ آپ یتیم پیدا ہوئے۔ گھر میں باوجود بڑا گھرانہ ہونے کے چار پانچ اونٹ اور چند شتر بچہ کے سوا کچھ نہ تھا۔ عرب کے رواج کے مطابق شریف گھرانوں کے بچوں کو دیہاتی دودھ پلائی مائیں دیہات سے آکر لے جاتی تھیں۔ بچے تازہ آب و ہوا اور بے تکلف سادہ تمدن میں خوب تربیت پاتے۔ زمانۂ رضاعت گذرنے پر واپس دے جاتیں۔ حقوق و انعامات سے دامن بھر لے جاتیں۔ اس گھر کی بے بساطی اور ناداری دیکھتے ہوئے کسی دائی نے توجہ نہ کی۔ مگر بقول کسے ؎

رحمتِ حق بہانہ مے جوید ؏ رحمتِ حق بہانہ مے جوید

خدا وند کریم کے فضل وکرم سے یہ نعمت صرف حلیمہ بنت ذویب سعدیہ کے لیئے رکھی تھی۔ اسی نے اس مولود مسعود کو سینے سے لگایا۔ سوکھے پستانوں میں دودھ بھر آیا۔ گھر میں لے گئیں۔ گھر کی رونق دو بالا ہوئی۔ اس وقت بنی سعد کا سارا علاقہ قحط زدہ اور ویران تھا۔ رحمۃ للعالمین کے ورود کی برکت سے کھیتیاں لہلہانے لگیں۔ اور ملک میں ارزانی ہوئی۔ نبوت کے نشانات یہاں سے شروع ہو جاتے ہیں۔

تربیّت

بچپن میں ہی والدہ ماجدہ فوت ہوگئیں۔ حضورؐ کے دادا صاحب عبدالمطلب نے پرورش میں لے لیا۔ زیادہ عرصہ نہ گذرا کہ وُہ بھی داغ مفارقت دے گئے۔ اب عمّ بزرگوار ابوطالب نے اپنی کفالت میں لیا۔ جو کریم تھے لیکن لباط و سرمایہ نہ رکھتے تھے۔ اپنے کنبہ کی پرورش بھی خاندانی حیثیت اور شان کے مطابق نہ کر سکتے تھے۔ سرورِ دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم بھی اپنے چچازاد بھائی بہنوں کے ساتھ عمّ بزرگوار کے ظلِ عاطفت میں پرورش پانے لگے۔ ایسی حالت اور اس ماحول میں تربیّت پائی کہ نہ کنبہ میں شایانِ شان تربیّت موجود ہے۔ نہ قابل مؤدب و مربی جو تہذیب شائستہ و تادیب زکیہ کی طرف راہنمائی کر سکے۔ صرف فطری طہارت عقیدہ اور جبلی نفسِ شریف کا شعورِ فضائل و محامد تھا۔ جس نے فواحش کے موجدوں فسق و فجور کے بانیوں۔ قمار بازوں۔ بت پرستوں اور ہر قسم کے رذائل میں منہمک "اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ" کے مصداق برائیوں میں غلبہ ڈھونڈنے والوں کے درمیان حضورؐ کو آدابِ الٰہی سے مزین رکھا۔ جیسا کہ آپ نے خود فرمایا: "اَدَّبَنِی رَبِّی فَاَحْسَنَ تَادِیْبِی" میرے رب نے میری تربیّت کی اور اچھی تربیّت کی۔ ادب دیا اور اچھا ادب دیا۔

اس زمانہ میں مکی لوگ قافلوں کی صورت تجارت کے لئے شام کو جایا کرتے تھے۔ عمّ بزرگوار کی معیت میں جب پہلی بار آپ بھی گئے۔ قافلہ بُصریٰ میں اُترا۔

وہاں کے پیر پادری بحیرا نامی خدا پرست راہب نے قافلہ کی ضیافت کی۔ وُہ صوفی اپنے صومعہ کے بالاخانہ میں اعتکاف کی صُورت ہر وقت عبادت اور ذکر و اذکارِ الہٰی میں لگے رہتے تھے خلافِ معمول مہمانوں کی خدمت طعام کے لئے خود تشریف لائے۔ مہمانوں کی خدمت میں بھی لگے ہوئے ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رُخِ انور کو بھی بار بار دیکھ رہے ہیں۔ گویا جبینِ سعادت نشان کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ خواب و بیداری کے مختلف حالات بھی پوچھے۔ اس غور و خوض سے رُوئے انور کو دیکھا اور حالات پوچھے۔ گویا کسی متوقع گوہر کی تلاش مقصود ہے۔ آخر ابُو طالب سے کہا۔ جس قدر جلدی ہو اس گوہر بے بہا کو واپس مکہ میں لے جاؤ۔ اور اس سفر میں بھی قومِ یہود سے خصوصًا محتاط رہنا۔ وہ ان کے دشمن ہیں، مبادا تکلیف پہنچائیں۔

سفر ختم ہوُا قافلہ واپس مکہ پہنچ گیا۔ آپ کے حسنِ اخلاق۔ صدق کلام۔ دیانت امانت کا عام چرچا ہوُا۔ اسی بنا پر مکہ کی مشہور مالدار تاجرہ خدیجہ بنت خویلد نے حضورؐ کو اپنے مال کا مختارِ عام بنا کر تجارت کے لئے شامی قافلہ کے ساتھ دوبارہ بھیجا اور خدمت کے لئے اپنا خاص غلام میسرہ ساتھ دیا۔

قافلہ کافی منفعت پاکر صحیح و سلامت کامیاب واپس پہنچ گیا۔ میسرہ نے اپنی سیّدہ خدیجہ بنت خویلد کو سفر کے ذرا ذرا واقعات سنائے۔ یمنِ قدم۔ نفع کثیر، سہولتِ سفر اور ہمراہیوں کا راحت و آرام پانا دیانت و امانت کے علاوہ یہ امر خاص جاذبِ توجہ ہوُا۔ جو میسرہ نے بتایا۔ کہ جہاں محمدؐ چلتے تھے۔ وہاں بادل سایہ کئے رہتا تھا۔ یہ بھی کہا۔ مجھے یوں معلوم ہوتا ہے۔ کہ دو فرشتے آپ پر سایہ کئے رہتے ہیں۔ زخمی اُونٹ کے زخم پر آپ تھوک دیتے۔ زخم فورًا بھر جاتا۔ میسرہ نے یہ بھی بتایا۔ کہ نسطورا نامی ایک راہب نے نظرِ تحقیق اور غور و خوض سے دیکھنے کے بعد یہ بھی کہا کہ اس مبارک وجود میں آخری نبی ہونے کی علامتیں پائی جاتی ہیں۔

خدیجہؓ نہایت زکیہ فہمیدہ اور سلیم العقل عورت تھیں یہ امور ان کے لئے جاذبِ توجہ ہوئے۔ بیوہ تھیں۔ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی قوم سے تھیں۔ آزاد تمدن تھا۔ عقل و فکر سے مشورہ کے بعد آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم سے نکاح کی درخواست کی۔ سرور کائنات نے معاملہ عمّ بزرگوار کے سامنے پیش کیا۔ انہوں نے تائید فرمائی۔ ساتھ ہو کر خطبہ نکاح خود پڑھا۔ وَوَجَدَكَ عَائِلاً فَاَغْنٰى" میں خداوند کریم نے اسی غنا کا ذکر فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے کہا۔ تجھے مفلس پایا۔ لیکن اپنی رحمت سے غنی کر دیا۔ اس وقت خدیجہؓ عمر کے چالیسویں سال میں تھیں اور حضورؐ کی عمر صرف پچیس سال تھی۔

جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے۔ خدیجہؓ مالدار عورت تھیں۔ ان سے نکاح کے بعد معاشی فکر نہ رہا۔ یہ رفیقۂ حیات نہایت خدمت گذار اور وفادار ثابت ہوئیں۔ اب کئی کئی روز کا سامانِ خورد و نوش بقدر قوت لایموت لیکر غارِ حرا میں چلے جاتے۔ دن رات تزکیۂ نفس اور ریاضتِ روح کے لئے عبادت میں لگے رہتے توجہ الی اللہ سے رُوح کو صیقل کرتے رہتے۔ بھلا جس رُوح کو اللہ نے کافۃ الناس کی ہدایت کے لئے انتخاب کیا۔ اس کے نور میں پہلے کیا کچھ کمی ہو سکتی ہے۔ مگر یہ ریاضت لوازم عبودیت کی مشق تھی۔ کامل بشریت کا نمونہ پیش کرنا تھا۔ نوعِ انسان کو انسانیت کا درس دینا تھا۔ گویا یہ روحانی مشق امتِ مرحومہ کے لئے ایک نمونے کا سبق تھا۔ کافی عرصہ یہ مشق جاری رہی۔

سنین عمر میں چالیس پُورے ہونے کو ابھی چھ ماہ باقی تھے۔ کہ رؤیائے صادقہ کا تواتر شروع ہوا۔ جو کچھ آپ خواب میں دیکھتے صبح روشن کی مانند ظہور میں آتا۔ خلوت اور تنہائی اور زیادہ ہوئی۔ عبادات اور ذکر اذکار میں کثرت ہوئی۔ شب بیداری بڑھتی گئی۔

جس غرض کے لئے کائنات کا ظہور ہوا۔ اور جس امر کی تکمیل کے لئے رُوحِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم مبعوث ہو کر اس دنیا میں تشریف لائے۔ اس کے پُورا ہونے کا وقت

آ پہنچا۔ اللہ کا فرشتہ آیا۔ اس نے سینے سے لگایا اور خوب زور سے بھینچا۔ اور کہا۔ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۔ "اس اللہ کا نام لے کر پڑھ جس نے پیدا کیا ہے۔ یہ دین فطرت کے داعی عظیم کو ضابطہ حکمت اور قانون رشد و ھدایت ملنے کی ابتدا ہوئی۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر خوف طاری ہوا۔ گھر تشریف لے گئے۔ فرمایا۔ دَثِّرُوْنِيْ۔ دَثِّرُوْنِيْ۔ "مجھے کپڑے اوڑھاؤ۔ کپڑے اوڑھاؤ۔ خوف سے بدن میں لرزہ اور جاڑا محسوس ہونے لگا۔ پھر تمام واقعہ کہہ سنایا۔ رفیقۂ حیات خدیجۃ الکبریٰ بولیں۔ میرے حبیب آپ خلق عظیم کے مالک ہیں۔ صلہ رحمی۔ غریب پروری۔ مہمان نوازی۔ مصیبت زدوں کی امداد ایسی تمام خوبیاں آپ میں پائی جاتی ہیں۔ آپ کا خدا آپ کو کبھی تکلیف میں نہیں ڈالے گا۔ اور اسی وقت آپ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ جو اس زمانہ میں مشہور و معروف عالم ربّانی تھا۔ تمام واقعات کہہ سنائے۔ ورقہ بن نوفل نے کہا یہ خدا کا فرشتہ پیغام لایا ہے۔ کاش کہ اس وقت تک میں زندہ رہوں۔ جب تجھے اپنی قوم گھر سے نکال دے گی۔ پوچھا۔ کیا لوگ مجھے یہاں سے نکال دیں گے؟ ورقہ نے کہا ہاں ہاں۔ آپ سے پہلے جتنے بھی رسول آئے۔ قوم نے ان سے ایسا ہی سلوک کیا۔ قرآن بھی یہی کہتا ہے۔ لوگوں پر افسوس اور حسرت ہے۔ جب ہی کوئی رسول ان کے پاس آیا۔ اس سے تمسخر اڑایا۔ يَا حَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيْهِمْ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ۔

اس کے بعد چند روز وحی کا سلسلہ منقطع رہا۔ یہ پہلا امتحان تھا۔ مکہ کے سفہاء اور رذیل فطرت لوگ سرگوشیاں کرنے لگے۔ کھلم کھلا ہنسی اڑاتے اور کہتے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا خدا اس سے روٹھ گیا ہے۔ اور اسے چھوڑ دیا ہے۔ فرشتہ نے پیغام لانا چھوڑ دیا۔ ان کمینے دشمنوں کی اس قسم کی شماتت اور طعن و تشنیع حقیقت میں رؤف الرحیم ہمہ صفت خلق عظیم کے مالک رسول کے نفس کو صبر پر عادی کرنے کا بہانہ تھا۔ کیونکہ تبلیغ کے حمل ثقیل کے اٹھانے میں اس قسم بلکہ اس سے بھی زیادہ

تکالیف سے دوچار ہونا ضروری تھا۔ شروع میں فَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ ؎
کی مشق ضروری تھی۔ جب وہ وقت جو مشیت ایزدی میں مقرر تھا پورا ہولیا۔
جبرائیلؑ پیغام لایا۔ وَالضُّحٰی وَاللَّیْلِ اِذَا سَجٰی مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰی۔
دن چڑھنے اور رات چھا جانے کی قسم خدا نے تجھے چھوڑا ہے نہ ناراض ہے۔
یَا اَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ؎۔ اے کپڑے اوڑھنے
والے تیار ہو اور لوگوں میں پیغام پہنچا۔ اپنے رب کی بڑائیاں بیان کر۔ کپڑے پاکیزہ کر۔

وضو اور عبادت

روح کی پاکیزگی حاصل کرنے کے لئے پہلے جسم اور کپڑوں کی پاکیزگی
ضروری ہے۔ جس طرح روح اللہ کے ذکر سے پاک ہوتا ہے۔ جسم اور کپڑوں
کو پانی پاک اور اُجلا کرتا ہے۔ جبرائیلؑ نے زمین پر قدم مارا پانی کا چشمہ جاری
ہوا۔ وضو کیا اور خدائے قدوس کی عبادت کے لئے نماز کا قانون سکھا۔ وضو
کیا ہے۔ اس کے پانی کے ایک ایک قطرہ میں رحمت الٰہی کے وہ اسرار نہاں
ہیں جس کے بیان سے فکر عاجز اور تحریر سے قلم قاصر ہے۔ کانوں سے انسان
سنتا ہے۔ آنکھیں دیکھتی ہیں۔ زبان بولتی ہے۔ ہاتھوں سے پکڑتا ہے۔ پاؤں سے
چلتا ہے۔ دل خواہشات کا مرکز ہے۔ مگر گناہوں کا پہلا سبب یہی اعضائے جوارح
ہیں۔ گو ارادہ دل سے ہوتا ہے۔ لیکن افعال خیر و شر کا صدور و تکمیل انہی اعضائے
جوارح سے ہوتی ہے۔ بلکہ دل کے محرک بھی بعض اوقات یہی کان اور آنکھیں بنتی
ہیں۔ جس طرح قلب کے نور کو گناہوں کی سیاہی کا ہر ہر نقطہ تاریک کرتا جاتا
ہے۔ اسی طرح یہ جوارح بھی گناہوں سے آلودہ ہو کر نجس ہو جاتے ہیں۔
محمد صلے اللہ علیہ وسلم توحید سکھانے آئے۔ توحید اللہ کا نور ہے۔ توحید کا نور
ایسے تاریک و سیاہ دل میں بھر نہیں سکتا۔ جو گناہوں سے آلود پلید اعضائے
جوارح سے متصل اور معلق ہو۔ اس لئے یہ ضروری ہوا کہ رب العزت کی درگاہ مقدس

میں پیش ہونے سے پہلے غسل قلب کے لئے بندہ اپنے اعضائے جوارح کی مکمل تطہیر کرلے۔ طہارت جسم کے بعد روحانی طہارت کا راستہ آسان ہو جائے گا پھر رُوح اور جسم دونوں پاک صاف ہو جائیں گے۔ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنْہُ مَسْئُوْلًا۔ قلب کے ساتھ ساتھ آنکھ کان وغیرہ اعضائے جوارح کی بھی اعمال خیر و شر کے متعلق باز پُرس ہو گی۔ جیسا کہ عبادت میں قلب متوجہ الی اللہ ہوتا ہے۔ ناک۔ کان۔ آنکھ وغیرہ تمام اعضائے جوارح بھی قیام۔ رکوع۔ سجود میں مکلّف ہیں اور رکوع وسجود کرتے ہیں۔ اسی لئے پاؤں کے دھونے کے ساتھ سر کا مسح بھی فرض کیا گیا۔ تاکہ بندہ درگاہ مقدس میں صمیم قلب سے یہ التجا کرے۔ یا رب العالمین تو ظاہر و باطن کا جاننے والا ہے۔ میں عاجز بندہ اپنی طاقت کے مطابق سر سے لے کر پاؤں تک تمام جسم کو ظاہری نجاست سے پاک کر کے تیری درگاہِ قدس میں حاضر ہُوا ہوں۔ اب میرے باطن اور دل کی طہارت تیرے ہاتھ میں ہے۔ تو میرا باطن پاک کر دے۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا وُہ فرمان جس میں فرمایا ہے کہ جس کے گھر کے سامنے سے نہر جاری ہو وُہ پانچ دفعہ ہر روز اس میں نہالے کوئی میل کچیل جسم پر باقی رہ جاتی ہے ؟ صحابہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ نہیں۔ فرمایا پانچ نمازیں یہی حکم رکھتی ہیں۔ یہ اسی طہارت کی بشارت ہے۔ جب خشوع اور خضوع کے ساتھ پاک جسم پاک لباس اور پاک نیّت ہو کر ہر روز پانچ دفعہ درگاہِ قدس میں حاضری دی جائے۔ اس خلوتِ قدس اور صحبت پاکیزہ کا یہ اثر ضرور ہو گا۔ کہ دل ہر قسم کی مقاذر ذنوب و کدوراتِ فواحش سے پاک صاف ہو کر روشن ہو جائے " اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ" کا یہی تو فلسفہ ہے۔ مگر درگاہِ قدس کی حاضری میں یہ ملحوظ رہے " اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ "

حکایت:۔ ایک بزرگ کا ذکر کرتے ہیں۔ کہیں بھنگیوں چرسیوں کی

ایک جماعت رہتی تھی۔ دل میں خیال گذرا کہ ان تک بھی اللہ کا پیغام پہنچا دوں۔ ان کی طرف چل پڑے۔ جب انہوں نے دور سے فقیر صاحب کو آتے دیکھا۔ وہ صوفی صاحب اثر بھی تھے۔ صاحب وقار بھی تھے۔ منکروں پر کچھ خوف طاری ہوا۔ سامان عیش و عشرت اور منشی اشیاء سب ضائع کر دیں۔ تاکہ صوفی صاحب دیکھ کر ناراض نہ ہوں۔ جب فقیر صاحب پہنچے۔ ان میں بیٹھ کر فرمایا۔ دوستو! مجھے بھی آج اپنی مجلس میں شامل کر لو میرے جی نے چاہا! کہ تم سے دوستی گانٹھوں۔ اپنے نشہ میں آج مجھے بھی سرشار کرو۔ منشی اشیاء وہ پہلے ہی تلف کر چکے تھے۔ بہت دوڑ دھوپ کی۔ اتفاق سے کامیاب نہ ہوئے۔ مشیت ایزدی بھی یہی تھی۔ عاجز ہو کر عرض کی۔ اس وقت تو کوئی نشہ موجود نہیں۔ ہم نے تو آپ کے خوف سے پہلے ہی ہر چیز ضائع کر دی۔ فقیر صاحب یہی چاہتے تھے۔ فرمایا۔ آؤ پھر میرا نشہ استعمال کر لو۔ تم اور میں جب دوست ٹھہرے۔ تم سے کچھ نہ ہو سکا مجھ سے یہی کچھ سیکھ لو۔ پانی منگوا کر سب کو غسل و وضو کرایا۔ نماز میں آپ آگے کھڑے ہو گئے۔ ان کو پیچھے کھڑا کیا۔ وہ درگاہ باری تعالےٰ میں نہایت آہ و زاری سے روئے۔ خشوع و خضوع سے عرض کی۔ یا رب العالمین یا ارحم الراحمین یا تواب میں گناہگار بندہ تیرے بھولے بھٹکے بندوں کو ہانک کر تیرے دروازے پر لایا ہوں۔ یہ اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں۔ تو قبول کر لیوے تو مالک ہے۔ یہ تیرے بندے ہیں۔ اور اگر رد کر دیوے تو تجھے اختیار ہے۔ ہم عاجز ہیں تیرے در پر رحمت کی امید لے کر آئے ہیں۔ تو نے خود فرمایا۔ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰہ۔ رحمت الٰہی جوش میں آئی۔ فرمایا۔ میرے بندو۔ میری رحمت تمہارے گناہوں سے وسیع ہے۔ سب کے دل روشن ہوئے۔ اور ہدایت نصیب ہوئی

رحمت حق بہانہ مے جوید
رحمت حق بہانہ مے جوید
سب گناہ دھل جائیں گے۔ رحمت کا پانی چاہیئے۔

سب سے پہلے اسلام لانے والے

اب اسلام کی طرف لوگوں کو بلایا گیا۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ کون حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے راز ہائے نہانی کا واقف ہو سکتا ہے۔ جس نے ازدواجی حیات سے پہلے اچھی طرح دیکھ بھال کر تجارت میں اپنے مال کا انہیں امین مقرر کیا۔ تجارتی سفر میں توقع سے زیادہ کامیابی۔ ہمراہیوں کا ان کی توصیف و تعریف میں رطب اللسان ہونا۔ میسرہ جو رفیقِ سفر بنایا گیا تھا اس کی شہادات کثیرہ پر خدیجہؓ کا ان سے نکاح کی درخواست کرنا سچائی کے پہلے ہی کافی ثبوت موجود تھے۔ اب ازدواجی زندگی میں بھی پندرہ سال خوب آزما لیا۔ ہر پہلو سے سچا پایا۔ ان میں بہت سے ایسے واقعات مشاہدہ کیئے۔ جو عام انسانوں میں نہیں پائے جاتے۔ دل سے مشورہ کیا۔ ضمیر نے آواز دی۔ خدیجہ تیرے رفیق زندگی میں شانِ الٰہی کی لامتناہی نورانی شعاعیں چمک رہی ہیں۔ تیرا محبوب تو اسرارِ حق کا خزینہ ہے۔ تجھے تامل کس امر میں ہے۔

خدیجہؓ فوراً صمیم قلب سے ایمان لائیں۔ زبان سے اقرار کیا۔ یاحَبِیْبِیْ اٰمنت بکَ. اٰمَنْتُ بِكَ وَ بِالٰهِكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ۔ اے میرے محبوب اللہ کے رسول گواہ رہیو میں تجھ پر اور تیرے ربّ پر ایمان لائی ہوں۔

ابو بکرؓ نہایت سلیم الفطرت دقیق نظر دُور رس طبیعت کے با فہم انسان تھے۔ علیؓ عمر کے آٹھویں سال میں تھے مگر قلب میں نور کی چمک رکھتے تھے۔ ؏

بزرگی بعقل است نہ بسال

دونوں رفیق دعوتِ اسلام سُن کر پکار اُٹھے۔ لبیک۔ لبیک یا رسول اللہ۔ اسلام کا سلسلہ شروع ہوا۔ یکے بعد دیگرے بہت سے لوگ ایمان لائے۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

اسلام کی اب عام حالت

گھروں میں قرآن پڑھا جاتا ہے۔ ایک ہی گھر ہے۔ باپ کافر ہے۔ بیٹا ایمان

لا چکا ہے۔ ماں اسلام پر دل و جان سے فدا ہے۔ تو بیٹے بیٹی اسلام کے سخت دشمن ہیں۔ ایک بھائی قرآن شریف کی تلاوت سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ تو دوسرا اس کے خلاف تخریبی مجالس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہا ہے۔ بہن اور بہنوئی جس کلام پاک کو پڑھ کر گھر کے اندر مزے لے رہے ہیں۔ بھائی اس قرآن لانے والے کا سر لینے کی بازی لگا کر تلوار کمر سے باندھے پھر رہا ہے، آخر بازی ہار کر دل لٹا کر گھر پھرتا ہے۔ زید مشرک ہے تو عمرو داعیٔ توحید کی آواز پر لبیک لبیک پکار رہا ہے۔

حمزہ بن عبدالمطلب۔ عمر بن الخطاب قرآن سنتے ہیں۔ کلام الٰہی کی عذوبت و حلاوت دل کی گہرائیوں میں اتر جاتی ہے۔ اللہ کی رحمت بھی قرینِ حال ہے۔ بے اختیار منہ سے نکل جاتا ہے۔ واللہ اس کلام میں حلاوت اور تلاوت میں طلاوت (دل کی پذیرائی) کس قدر بھری ہے۔ یہ ضرور خداوند کریم کا کلام ہے۔ ضمیر نے آواز دی پھر اسلام قبول کرنے میں تاجیل کس لئے ہے۔ زبان اور دل نے اتفاق کیا۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی آواز گونج اُٹھی۔ اے خدا گواہ رہیو ہم اسلام لائے ہیں ہم اقرار کرتے ہیں۔ اے باری تعالیٰ تیرے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ معبود نہیں اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم تیرا سچا رسول ہے۔

مشرکین مکہ اور قریش پریشان ہیں۔ حیران بھی ہیں۔ کوئی تجویز بن نہیں آتی۔ کریں تو کیا کریں۔ قریش میں سے سادات و اشراف دین جدید میں داخل ہوتے جا رہے ہیں۔ یہ بھی سن بیٹھے ہیں کہ عمرؓ اسلام لانے کے بعد مسلمانوں میں تحریک پیدا کر رہے ہیں کہ بیت اللہ شریف میں کھلم کھلا نمازیں پڑھو۔ دیکھیں ہمیں کون عبادت کرنے سے روک سکتا ہے۔ یہ آنکھوں سے دیکھ لیا ہے کہ عمرؓ تلوار میان سے نکال کر اعلان کرتے پھرتے ہیں۔ جو شخص مسلمانوں سے متعرض ہونے کا دل میں خیال رکھتا ہو وہ میرے سامنے آئے۔

ایمان لانے والے قلیل اور قلت بھی انگلیوں پر گنتی میں محدود تھی۔ مقابلے میں یہود۔ نصاریٰ۔ مشرکین۔ وثنی۔ صابی وغیرہ باطل پرست جماعتیں "اَلْكُفْرُ مِلَّةٌ وَّاحِدَةٌ" کی صورت کثرت کثیرہ میں موجود تھی۔ مگر ایمان والے کہتے ہم ایمان لا

چکے ہیں۔ جب ایمان ہے اللہ اور اس کا رسول ہمارے ساتھ ہے۔ تو ہم تھوڑے کیونکر ہیں۔

اصحاب محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی قلتِ قلیلہ میں جو رُوحانیت کی قوت ہے وہ انہیں ابھارتی ہے۔ صلاح و مشورہ کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ہم ظاہراً عبادت کریں۔ کھلم کھلا اللہ کو پکاریں۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے دشمن کیا بگاڑے گا۔ ؎

"دشمن چہ کند چو مہرباں باشد دوست"

لیکن محمد صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ابھی وہ وقت نہیں پہنچا۔ مجھے دین فطرت کی تبلیغ کا منصب دیا گیا ہے۔ ہر امر کے لیئے ظاہر بھی ہوتا ہے باطن بھی۔ ظاہر کو چھوڑ صرف باطن کے درپے ہونا مناسب نہیں۔ اس سے تمام مساعی رائگاں اور ارادے ناکامی کا مُنہ دکھاتے ہیں۔ میرے بعد آنے والے مسلمانوں نے میرے قدموں کے نشانات دیکھنے ہیں۔ انہی قدموں پر چلنا ہے۔ روحانی استعداد سب میں مساوی نہیں ہوتی۔ اور نہ باطن کے سمجھنے میں سب مساوی فہم و ادراک کے مالک ہوتے ہیں۔

ہمیں زندگی کے ظاہری قانون کے مطابق بشری استعداد کے دائرہ میں اسباب کو بھی دیکھنا ہے۔ اور اسباب ابھی مفقود ہیں۔ ہاں جب معاملہ "آخرالحِیَلُ السَّیفُ" تک پہنچ جائے گا۔ ظاہری اسباب دشوار اور تحاویز ناممکن ہو جائیں گی۔ اس وقت میرا رب میری مدد معجزہ سے کرے گا۔ ہم غالب ہوں گے ابھی صبر کی ضرورت ہے۔ سب نے لبیک کہا۔ دل میں ذرا خلجان نہیں آنے دیا۔ بدستور عبادت کیلئے غاروں میں چلے جاتے۔ دو رکعت نماز صبح کے لئے اور دو ہی رکعت عشا کی نماز ادا کرتے۔

قبولیت کی قوت سب میں یکساں نہیں ہوتی ؎

در باغ لالہ روید و در شور خار و خس

حبشی بلالؓ کا آئینۂ قلب نقوش ہدایت اور عکوس حق کے جذب میں جو برقی قوت رکھتا تھا یا جو پائیداری اور استقامت اس کے ایمان میں تھی وہ ہر دل کو نصیب نہیں ہو سکتی۔ وہ امیہ بن خلف کے غلام ہیں ایمان لانے کے جرم میں

سزا یہ دی جاتی ہے۔ کہ مشرکین مکّہ دوپہر کے وقت جلتی تپتی ریت پر چت لٹا کر سینے پر پتھر رکھ دیتے ہیں۔ ان کے لونڈے آپ کے پاؤں میں رسّی ڈال کر کھلونے کی مانند گلی کوچوں میں گھسیٹتے پھرتے ہیں۔ طرح طرح کے عذاب دیتے ہیں لیکن اس عاشق رسول پاک کی زبان سے احد احد احد کا ورد جاری ہے۔ بلالؓ کا اس ابتلائے عظیم میں مبتلا ہونا پھر ثابت قدم رہنا حقیقت میں ان لوگوں کے لئے درس عبرت تھا۔ جو لوگ ایمان کے جویاں تھے۔ تاکہ وہ جان جائیں ایمان کتنی قیمتی چیز ہے۔ اور کن کن مصائب سے دوچار ہو کر اسے پایا جا سکتا ہے۔

محمد بن اسحاق نے ہشام بن عروہ سے روایت نقل کی ہے ہشام فرماتے ہیں۔ کہ مجھے باپ نے بتایا۔ ایک روز بلال بن رباح حبشی کو امیہ بن خلف زدوکوب کر رہا تھا۔ جلتے پتھروں پر مشرکین کے لونڈے پاؤں میں رسّی ڈالے گھسیٹ رہے ہیں۔ امیّہ وغیرہ قسی القلب قریش تماشہ دیکھ رہے ہیں۔ ابوبکر پاس سے گذرے۔ کلیجہ پگل گیا۔ رونگٹے بدن پر کھڑے ہو گئے۔ دل بھر آیا۔ ابوبکرؓ نے کہا۔ اے امیّہ! تجھے خدا کا خوف نہیں ہے۔ اس کے غضب سے نہیں ڈرتا۔ خدا کی لاٹھی میں آواز نہیں ہے۔ اچانک کچلا جائے گا۔ امیّہ نے جواب دیا۔ اگر تجھے اتنا رحم آ رہا ہے۔ تو اپنے غلام سے تبادلہ کر لے۔ سعید بن مسیب کہتے ہیں۔ کہ ابوبکرؓ صدیق کا غلام نسطاس نامی مشرک تھا جو دس ہزار دینار نقد کا مالک تھا۔ کئی لونڈی غلام کے علاوہ بہت سے مویشی بھی رکھتا تھا۔ صدیقؓ نے غنیمت جانا۔ نسطاس مشرک دے کر بلالؓ مومن لے لیا۔ اور اسی وقت آزاد کر دیا۔ اس پر بھی خوش ہے کہ ارزاں سودا ہاتھ آیا۔ لوگ چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ بعض نے کہا کہ بلالؓ کا کچھ روپیہ ابوبکرؓ صدیق کے ذمہ بنتا تھا۔ اس لئے مال و دولت کا مالک نسطاس غلام دے کر بلال خرید لیا۔ اللہ نے فرمایا۔ لوگو غلط سمجھے ہو۔ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤى اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى " اس کے ذمہ تو کسی کا کوئی بھی مال نہ تھا۔ جس کے معاوضہ میں اس نے ایسا کیا ہو۔ یہ صرف اللہ تعالےٰ کی رضا کے لئے کیا ہے۔

یہ تھی ایمان کی قوّت بلالؓ میں اور ایسے ہی ابوبکر صدیقؓ۔ عمرؓ۔ عثمانؓ و علیؓ اور حمزہؓ کے ایمان اور عام صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ایمان میں تفاوت بیّن تھا۔

یہ فطرت کا خاصہ ہے۔ کہ جوں جوں محبوب کے حسن کا جلوہ دل پر قبضہ کرتا جائے۔ عذاب عذوبت میں تحلیل ہو کر آبِ زلال بن جاتا ہے۔ مصری عورتیں یوسف کنعانی کے مادی حسن سے متاثر ہو کر ایسی بے بس ہوئیں کہ "قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ" نارنجی کی جگہ انگلیاں کاٹ ڈالیں۔ مگر علم بھی نہ ہوا۔ بلالؓ سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم میں خدا کا نور۔ رسالت کا نور۔ امانت و دیانت کا نور۔ حریت کا نور۔ عفت و شجاعت کا نور دیکھ کر کیسے متاثر نہ ہوتے۔

ہاں ایمان والوں میں ضعیف بھی تھے۔ محتاج بھی تھے۔ بے دوست و بے رشتہ دار بھی تھے۔ مشرکین مکہ کی تکالیف سارے یکساں برداشت نہ کر سکتے تھے۔ یہ سب کی قوت برداشت برابر تھی۔ ابھی رُوحانی تعلیم میں مبتدی تھے۔ رُوحانی استعداد اس بلندی پر نہیں پہنچی کہ مصائب مصائب نہ رہیں اگرچہ مکہ میں ابھی ان کو تربیت کی اور ضرورت تھی۔ لیکن مکہ کا ماحول اس تربیت کے لئے سازگار نہ تھا۔ مجبوراً محفوظ اور پُر امن جگہ کی تلاش کی جانے لگی۔ فیصلہ ہوا۔ مومنین قانتین حبشہ کی جانب ہجرت کر جائیں۔ شاہِ حبشہ نجاشی عیسائی تھا لیکن رحمدل تھا۔ اس کی رعایا بھی متمدن اور علم دوست تھی۔ مشرکین کی نسبت وہ لوگ دوستی کے لئے زیادہ موزوں تھے۔ اُمید ہوئی کہ وہاں مسلمان امن میں رہیں گے۔ ۵ھ نبوی ماہ رجب میں پہلی ہجرت ہوئی۔

ہجرت اوّل کے مشہور مہاجرین

(۱) عثمان بن عفان مع زوجہ رقیہؓ بنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔

(۲) ابوسلمہ بن عبدالاسد مع زوجہ ام سلمہ بنت ابی امیہ۔ (۳) عامر بن ربیعہ مع زوجہ بنت ابی حشم۔ (۴) ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ مع زوجہ سہلہ بنت سہیل

(۵) زبیر بن عوام رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے برادر عم زاد۔ (۶) مصعب بن عمیر وغیرہ ایسے چند اور صحابہ بھی شریک ہجرت ہوئے اور یہ سلسلہ کچھ عرصہ بعد تک بھی جاری رہا۔ ان مہاجرین میں کثرت غرباکی تھی۔ سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم اور باقی ماندہ جو قریش مکّہ سے دبنے والے نہ تھے۔ اور حسب ونسب میں جاہ و مال میں اور حمایتی قوت میں بھی ان کے برابر یا زیادہ تھے۔ وہ سارے بے فکر وہیں رہے۔ قریش کو دعوت حق دیتے۔ ان سے تکالیف وشدائد اٹھاتے اور سہتے۔ ایک ایک کی قیام گاہ پر چکّر کاٹتے۔ اپنے مسلک کے لئے توحید کی تعلیم کے لیئے دن رات سعی وکوشش میں منہمک رہتے۔ روح کائنات صلے اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ مشرکین مکہ کی بدحالی و بداعمالی پر پریشان خاطر ہوتے یہاں تک کہ مولا کریم نے " لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ " کا فرمان بھیج کر تسکین فرمائی۔ مقابلے میں ابولہب اور ابوجہل جیسے ازلی شقی ان کی تکذیب کرتے۔ اور پتھّر مارتے۔ ساحر۔ مجنوں۔ کاہن اور کبھی شاعر کہتے۔ حضورؐ قرآن پڑھتے وہ تالیاں اور سیٹیاں بجاتے۔ جہلائے قدیم کے اشعار زور زور سے گاتے تاکہ خدا کا کلام شور میں دب جائے۔ کبھی اپنے کانوں میں روئی ڈال لیتے۔ کہ حق کی آواز سنائی نہ دے۔

پھر بھی سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم ان سے تمام اذیتیں برداشت کرتے ہوئے بھی ان کے لئے دعائیں مانگتے اور دعائیں دیتے۔ ایک ایک کے پاس جاتے اور حق کا پیغام پہنچاتے۔

حدیثِ غرانیق

یہ بھی زنادقہ اور بعض فجارِ ملّت کی ایک خودساختہ کہانی ہے۔ جسے بعض مفسرین رحمۃ اللہ علیہم نے بھی بے غور و خوض کئے اپنا کر اپنی تصانیف میں خوب اُجاگر کیا۔ یا بعض ایسے مفسرین جن پر تصنیف و تالیف کا شوق غالب تھا تفسیر کے شوق میں ایسے مست ہوئے۔ کہ اس دست و پا بریدہ لنڈورے جسم اور

بے رُوح قول کو دل میں قبولیت کا مقام دے کر غلط روایات لے کر اپنی تصانیف کو مقبول بنایا۔ آخر یہ غلط روایت اسلامی مسلمات میں شمار ہونے لگی۔
اس غلط روایت کی تفصیل یہ ہے۔ کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو مشرکین مکہ سے از حد تکالیف پہنچیں۔ جبکہ آپ کا مقصد و مسلک ان کے الٰہ کا ذب سے روک کر ان کو خدائے قدوس کی طرف لانا تھا۔ آپ بُت پرستی سے ہٹا کر خدا پرست بنانے میں حریص تھے۔ ان کے ایمان لانے انہیں اسلام کے راستہ پر چلانے کے متمنّی اور خواہاں تھے۔ (بقول زنادقہ) آپ کو خیال رہتا کہ کوئی ایسی آیت نازل نہ ہو۔ جس سے کفّار کی دل شکنی ہو۔ گویا صلح کُل پالیسی زیر نظر تھی۔ اور قلوب کفّار کو اسلام کی طرف راغب کرنے میں متردد رہتے۔ اسی تردّد کے دوران میں سورۃ "النّجم" ایسے موقع پر نازل ہوئی کہ مشرکین مکہ بھی وہاں پر موجود تھے۔ سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم نے سُورۃ النّجم پڑھی جب "اَفَرَاَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی وَمَنٰوۃَ الثَّالِثَۃَ الْاُخْرٰی" تلاوت فرما رہے تھے تو شیطان نے حضورؐ کی تمنّا میں دخل اندازی کرکے بے ارادہ ان کی زبان سے مدح اصنام میں یہ لفظ نکلوا دیئے۔ "تِلْکَ الْغَرَانِیْقُ الْعُلٰی۔ وَاِنَّ شَفَاعَتَھُنَّ لَتُرْتَجٰی" ایک اور روایت میں یہی الفاظ یُوں آئے ہیں۔ انھا لمن الغرانیق العُلٰی۔ یا ان ھن غرانیق العلی و ان شفاعتھن ھی التی ترتجٰی" باختلاف روایات مختلف کلمات آئے ہیں۔ غرانیق کا لفظ ہر روایت میں ہے۔ اور غرانیق سے صنم عظیم مفہوم لیا جاتا ہے۔ حالانکہ لغتِ عرب میں غرانیق بمعنی صنم کہیں استعمال نہیں ہوا۔ اور نہ اس نام کا کوئی بُت عرب میں پُوجا جاتا تھا۔ غرانیق ایک قسم کا جانور عظیم الجثہ لغت عرب میں ملتا ہے۔ بُت کا نام نہیں ہے۔
دروغ بر گردن راوی یہ سُن کر مشرکین نہایت محظوظ و مسرور ہوئے۔ اور جب آخر سورۃ پر پہنچ کر حضورؐ نے آیت سجدہ تلاوت فرمائی۔ اور سجدہ میں گئے۔ تو مشرکین نے بھی سجدہ میں موافقت کی اور سب سجدہ میں پڑ گئے۔ لبعد میں

جبرائیلؑ نے ان زائد کلمات کو قرآن سے نکلوایا اور قرآن کی صحت کرائی۔

یہ ہے اس قصۂ خرافات کی حقیقت لیکن ان مستشرقین نے جو امت ناصری اور جماعت اسرائیل کے افراد ہیں بات کا بتنگڑ بنا کر اپنی فطرت کے مطابق کیا کیا زہر نہیں اُگلا۔ وہ اس میں معذور ہیں۔ اس لئے بھی کہ انہیں اسلام اور اسلامیوں سے تعصب ہے۔ اس واسطے بھی کہ لسانِ عربی کے ذوق سے غیر مادری ہونے کے باعث حظ وافر نہیں رکھتے۔ تیسرے یہ عذر بھی کچھ کم نہیں کہ اصولِ اسلام اور روحِ اسلام سے اجنبیت کے سبب ادراکِ حقیقت سے دُور بھٹکتے پھرتے ہیں۔

من از بیگانگاں ہرگز نتالم
کہ بامن ہر چہ کرد آں آشنا کرد

تعجب ہے۔ اہلِ اسلام کے مفسرین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سے کہ جن کے پاس اس قسم کا کوئی بہانہ بھی نہیں اور بے سوچے سمجھے اپنی تفاسیر میں بے جرح کئے درج کر دیا۔

بعض مفسرین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کو قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت کا مفہوم سمجھنے میں کچھ لغزش ضرور ہوئی۔ اگر اس آیت کا بھی نظرِ غائر سے مطالعہ کیا جاتا تو فہم کے پاؤں نہ ڈگمگاتے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِیٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰىٓ اَلْقَى الشَّیْطٰنُ فِیْٓ اُمْنِیَّتِهٖ ۚ فَیَنْسَخُ اللّٰهُ مَا یُلْقِی الشَّیْطٰنُ ثُمَّ یُحْكِمُ اللّٰهُ اٰیٰتِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ۙ لِّیَجْعَلَ مَا یُلْقِی الشَّیْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِیَةِ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِیْنَ لَفِیْ شِقَاقٍ ۭ بَعِیْدٍ ۙ حج ۵۳

اس آیت کا مفہوم صحیح نہ سمجھنے کے سبب اکثر کے پاؤں صراط مستقیم سے پھسل گئے۔ اللہ کریم معاف فرما دیں۔

ہم اس آیت کا وہ مفہوم جو شیخ محمد عبدہٗ رحمۃ اللہ علیہ کے ذہن رسا کی کاوش

کا نتیجہ ہے۔ اور جو اُنہوں نے ایک سائل کے جواب میں وضاحت سے فرمایا۔ اپنے لفظوں میں پیش کرتے ہیں۔

وُہ فرماتے ہیں کہ لفظ تمنٰی کے معنے عرف عام میں خواہش کے ہیں۔ ایک صاحب تمنٰی کے معنے لکھتے ہیں حدیث النفس بما یکون و بما لا یکون یعنی ضمیر میں گذرنے والے خیالات اور یہ بھی فرمایا کہ تمنٰی کے معنے خدا سے مانگنا بھی آیا ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے۔ اِذَا تَمَنّٰی اَحَدُکُمْ فَلْیَتَکَثَّرْ فَاِنَّمَا یسأَل رَبَّہٗ " ابن اثیر تمنّا کے معنے لکھتے ہیں " حصول الامر المرغوب فیہ۔ پسندیدہ امر کا حاصل کرنا یا ہونا۔ ایک شخص فرماتے ہیں " تمنیت الشئ اِذَا قدرتہٗ وَ اَحْبَبْتُ ان یصیر الیّ "

حاصل کلام یہ ہے کہ جس رسُول یا نبی کو اللہ تعالیٰ کسی قوم کی طرف ھدایت جدیدہ اور شریعت سابقہ صحیحہ کی طرف راہنمائی کے لئے بھیجتا ہے۔ اور وُہ اللہ کا فرستادہ رسُول آوُردہ کتاب اور ملہم علم وحکمت کا سبق قوم کو سناتا ہے اس کی قلبی خواہش اور دلی تمنا یہ ہوتی ہے۔ کہ لوگ بیش از بیش اس کی اتباع میں سبقت لے جائیں۔ اور جس مرکز سے وُہ منادِ حق پکار پکار کر بلا رہا ہے۔ حتّیٰ جمیعًا کافّۃ الناس وہاں جمع ہو جائیں۔ تاکہ وُہ لوگ آثام اور امراض فسق و فجور سے اسرع الاوقات میں نجات پاکر اتباع ہُوا ہوس سے باز رہیں۔ چنانچہ ہر رسُول اپنے زمانہ میں قوم کے ایمان لانے اور رسالت کی تصدیق کرانے پر حریص تر رہا۔ جب روحِ کائنات فخرِ موجودات حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء و رسل میں اعلٰے و ارفع تھی۔ آپ کی تمنّا اور حرص کا قوم کی ہدایت کے لئے سب سے زیادہ ہونا لازمی تھا۔ اللہ تعالےٰ کی شہادت موجود ہے۔

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰۤی اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ یُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِیْثِ اَسَفًا کہف ÷ وَمَاۤ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِیْنَ یوسف ۱۰۳
اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰی یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ۔ یونس ۹۹

ایسے ہی اور بہت سی آیات اس امر کی روشن شہادت ہیں کہ سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم قوم کو راہِ راست پر لانے اور ان کی ھدایت کے لئے تمناؤں سے بھرا دل رکھتے تھے۔ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ جس انسان کے پیشِ نظر ایسے اعلیٰ و ارفع مقاصد ہوں اور حق کی تبلیغ اس کا مقصد و تمنّا ہو۔ شیطان مردود ہر قسم کی روکاوٹیں اس کے راستہ میں ڈال دیتا ہے۔ مشکلات وصعوبات کی ناقابلِ تسخیر چٹانیں سدّ راہ بنا دیتا ہے۔ اس کے راستہ میں کانٹے بچھاتا ہے تاکہ اس بلند عزائم انسان کو اپنے ارادہ میں ناکام کر دکھائے۔ یہ ہے شیطان کا انسان سے عامی سلوک۔ لیکن انبیاء و رسل کو اس سے بھی بہت زیادہ مصائب کا سامنا ہوتا ہے۔ اسی لئے انبیاء کو "اشد البلایا" فرمایا۔ قرآن کریم میں انبیا کرام کے امتحانات بیان کئے گئے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام کو ماں باپ نے گھر سے نکال دیا۔ حکومت نے آگ میں جھونکنے کی ناکام کوشش کی۔ موسےٰ علیہ السلام کے خلاف تمام سازشیں ناکام رہیں۔ عیسےٰ علیہ السلام کو صلیب پر چڑھانا چاہا نہ چڑھا سکے۔ حضرت سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق تمام کوششیں نامراد ثابت ہوئیں۔ جس کی وجہ صرف یہ ہے کہ انبیاء کی حفاظت ملائکہ کیا کرتے ہیں تاکہ اللہ کا پیغام لے جانے میں شیطان مردود سدّ راہ نہ بن سکے۔ شیاطین الانس والجن جتنی کوششیں بھی انبیاء کے خلاف کریں ان کی کوئی حیلہ سازی بھی کامیاب نہ ہو۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ کا فرمان ہے۔ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطٰن" میرے بندوں پر تجھے دسترس حاصل نہیں ہو سکتی۔

لوگوں کے سینے وساوس سے بھر دیتا ہے۔ ان کی قوتِ عقل و ادراک سے انتفاعی حسّ اور روحِ استفادہ سلب ہو جاتی ہیں۔ ابلیس لعین رسول کے راستہ میں روکاوٹیں ڈالتا ہے۔ مقاصد و مرام میں ناکام کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ آخر خود ناکام رہتا ہے۔ محاربات تک نظر پہنچتی ہے۔ قتل و غارت کی نوبت آتی ہے۔ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے۔ دعوتِ حق ابتدائی مراحل میں ہوتی ہے۔

رسول کے ساتھی تھوڑے اور ضعیف ہوتے ہیں۔ گمراہ جماعت کی کثرت اور طاقت غالب ہوتی ہے۔ مگر رسول کی مدد کو آسمان سے طاقت نزول کرتی ہے۔ اچانک اللہ کا عذاب ظالموں پر جھپٹ پڑتا ہے۔ ظالم مٹ جاتا ہے۔ قوم عادؑ۔ ہودؑ۔ فرعونؔ اور نوحؑ کے واقعات اس کی روشن دلیل ہیں۔

صحیفہ مقاطعہ" یا معاہدۂ عدم تعاون"

جب مہاجرین کو حبشہ میں پوری پناہ مل چکی۔ مؤمنین کے خلاف کفار مکہ کی ریشہ دوانیاں اور سعی و مکائد بارآور نہ ہوسکے۔ پوری کوشش کے باوجود ناکامی اور مایوسی کا منہ دیکھنا پڑا۔ سر تھام کر رہ گئے۔ اضطراب اور زیادہ ہوا۔ آرام کیونکر آتا۔ محمد صلے اللہ علیہ وسلم اور ان کے رفقاء کی قوت اور گنتی ہر ساعت اور ہر لمحہ بڑھ رہی ہے۔ قریش اور مشرکین دیکھ رہے ہیں۔ کہ ہر صبح مسلمانوں کی تعداد پہلے دن سے زیادہ ہے۔ جتنی مسلمانوں کی گنتی زیادہ ہوتی ہے۔ اتنی کفار کی طاقت کم ہوتی جا رہی ہے اور پیچ و تاب بڑھ رہا ہے۔ پیٹ میں بل پڑ رہے ہیں۔ سینہ کینہ سے بھر رہا ہے ؎ "بمیرتا برہی اے حسود" کفار کی یہ کڑھن اس نعمتِ الٰہی پر ہے جو واہب العطایا سے سرور دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوئی ہے۔

پھر سوچتے ہیں کہ اگر ہم (خاکم بدہن) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ختم کر دیں تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ ان کے رفیق خاموش رہیں گے؟ نیا دین مٹ جائے گا؟ بنو ہاشم یہ خون رائگاں جانے دیں گے؟ سوچتے سوچتے دماغ چکرا جاتا ہے۔ ہر سوال کا جواب نفی میں ملتا ہے۔ وحشت ناک نتائج آنکھوں کے سامنے آکر "قُلُوبٌ يَوْمَئِذٍ وَاجِفَةٌ أَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ" کا نقشہ دکھائی دیتا ہے۔ پھر خود ہی اپنی ضمیر سے مشورہ کرکے یہ کہنے لگتے ہیں۔ معاملہ ختم ہونا ناممکن ہے۔ محال ہے۔ عصبیت بھڑکے گی۔ ایسی خانہ جنگی شروع ہو جائے گی۔ کہ جس کا انجام ابدی ہلاکت اور دائمی تباہی ہو کر صفحہ دہر سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہمیں ملیامیٹ کر دے گی۔ بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب

کی رگِ حمیّت جب پھڑکے گی۔ اس جوش سے خون کے فوارے سر اُٹھائیں گے مکّہ بلکہ مکّہ والوں کے لواحقین میں سے جہاں بھی کوئی موجود ہے ایک فرد بھی اس کے چھینٹوں سے محفوظ نہیں رہ سکے گا۔

مجلس شوریٰ

دار ندوہ میں سوچ بچار کے بعد مجلس شوریٰ بلائی گئی۔ بحث و تمحیص اور دیر تک غور و خوض کے بعد قرار پایا کہ بنی ہاشم سے ہر پہلو مقاطعہ اور عدم تعاون کیا جائے۔ مقاطعہ نامہ لکھ کر کعبۃ اللہ میں معلّق کر دیا گیا۔ اس معاہدہ کی ادنیٰ شرائط یہ تھیں "ہم میں سے کوئی بھی بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب سے مناکحت نہ کرے گا۔ ان سے لین دین خرید و فروخت نشست و برخاست بول چال ہر طریق سے ممنوع ہوگی۔ قرابت کی شفقت اور رشتہ کی رأفت جو بھی کسی رنگ میں درمیان لائے گا۔ مجرم متصوّر ہوگا" اس عہد نامہ کے بعد کافی عرصہ تک عہد نامہ کعبہ میں لٹکا رہا اور پوری پابندی سے تعلقات منقطع رہے۔

صحابہ کا تزکیہ نفس

محمّد صلے اللہ علیہ وسلّم اور آپؐ کے رفیق مسلک صحابہ کرام ان دلنوں غاروں میں تزکیۂ نفس اور ریاضتِ قلب و جسم میں منہمک ہیں۔ محمد صلے اللہ علیہ وسلّم انہیں روحانی غذا کے انبار در انبار توجہ خاص سے پہنچا رہے ہیں۔ صحابہ کرام کے اجسام اور ارواح صعوبات کی برداشت میں متعاد ہو کر قوت پا رہے ہیں۔ ہشام بن عمرو جو قریش مکّہ کے سادات میں سے ہے۔ اس کا دل قریش مکّہ کی قساوتِ قلبی اور محمد صلے اللہ علیہ وسلّم اور صحابہؓ کی مظلومیّت دیکھ کر کڑھتا ہے۔ آدھی رات طعام اٹھا کر پوشیدہ طور پر غاروں میں پہنچا آتا ہے۔ کسی کو خبر تک نہیں ہوتی۔

نقضِ صحیفہ (مقاطعہ کا انجام)

ایک دن ہشّام زہیر بن امیّہ سے ملتا ہے۔ زہیر کی ماں عاتکہ عبد المطلب کی بیٹی ہے۔ سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی حقیقی عمہ ہے۔ گویا سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم زہیر کے ماموں زاد بھائی ہیں۔

ہشام زہیر سے یوں مخاطب ہوُا۔ زہیر تمہاری عقل کو کیا ہوُا۔ سوچتے بھی ہو یا نہیں۔ کبھی دل میں یہ خیال بھی گذرا کہ تم طرح طرح کے کھانے کھاؤ۔ کپڑے پہنو۔ شادیاں رچاؤ۔ تمہارے ننہیال بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب سے تمہارے ماموں زاد بھائی محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے اور ان کے ساتھیوں سے لین دین بیٹھنا اٹھنا تو درکنار کسی کو بولنے کی بھی اجازت نہ ہو۔ غیرت سے ڈوب مرنے کا مقام ہے۔ خدا کی قسم تیری جگہ ابی الحکم (ابوجہل) یا ان میں سے کسی اور کے ننہیال کے خلاف اس قسم کا فیصلہ ہوُا ہوتا یا ایسا سلوک کیا جاتا تو تو خواہ کتنی بھی کوشش کیوں نہ کرتا۔ ایک بھی تیرا ساتھ نہ دیتا۔ اور تیرا یہ حال ہے۔ کہ محض بیگانوں کی دلجوئی کے لئے یگانوں سے بیزار اور ان کی دل آزاری میں مست و شاداں پھرتا ہے۔ کچھ شرم بھی چاہیئے۔

یہ چبھتی باتیں زہیر کے دل کی گہرائیوں میں بسرعت اثر کر گئیں۔ ادھر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ابوطالب کو بتا دیا کہ مقاطعہ نامہ نعافت ہو چکا ہے۔ بس کا لکھا مٹ گیا ہے۔ جب یہ خبر ابوطالب کی زبانی قریش تک پہنچی انہوں نے دیکھا تو سرورِ دوعالم کے فرمان کے مطابق تحریر خاک خوردہ ہو چکی ہے۔ مشرک کہنے لگے۔ "اِنَّہٗ لَسِحْرٌ" یہ بھی جادو ہے۔

پابندی کے بعد آزادی

عہد نامہ چاک کر دیا گیا۔ حبیبِ کبریا صلے اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں سمیت غاروں سے نکل آئے۔ گویا قید خانہ کے تنگ و تاریک احاطہ سے وسیع دنیا

یں دینِ مبین کے نور کی شعاعیں پھیلانے کو خدا نے بھیج دیا۔ غارِ حقیقت میں ان کے لئے محفوظ قلعے تھے۔ جن میں اعتکاف بیٹھ کر اپنی روحوں کو ذکر اللہ کی صیقل سے مجلّی کرتے رہے تھے۔ قدوسِ مطلق کی یاد میں محو ہو کر قلوب کو صبغۃ اللہ میں رنگ رہے تھے۔ سرورِ دو عالمؐ اپنی پوری ہمت سے آئندہ جہاد کی خاطر ان کی قوتِ وہمیہ میں برداشت کی وہ طاقت بھر رہے تھے جو حرب شاقہ کے لئے ضروری ہوتی ہے۔ اس قسم کی روحانی تربیت اس لئے بھی ضروری تھی۔ کہ حضورؐ کے موجودہ خدام آئندہ اسلام میں داخل ہونے والے مسلمانوں کی ارواح کو پاکیزہ کر سکیں۔

صدیق اکبرؓ کی روح اور علیؓ۔ عمرؓ۔ حمزہؓ۔ بلالؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی ارواح پہلے ہی تیز تر تھیں۔ ان کے ساتھیوں کی ارواح بھی درخشاں تھیں۔ ان کی ارواحِ صافیہ میں وہ قوت۔ عظمت اور درخشانی تھی۔ جو بعد کے آنے والے مسلمانوں میں عزم بالجزم پیدا کرنے کی پوری طاقت رکھتی تھی۔ یہ قوت اس قلیل عرصہ میں ریاضت اور مشقت سے اور تیز ہوئی۔

ابوطالب مرضِ موت میں

ابوطالب بسترِ علالت پر دراز ہے۔ مرض ساعت بساعت ترقی پر ہے۔ جوں جوں مرض بڑھتا جاتا ہے۔ قریشِ مکہ کا یقین موتِ ابی طالب پر مستحکم ہوتا جاتا ہے خوش بھی ہیں۔ جانتے ہیں کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر جور و ستم کے جو تیر بھی ان کی کمانِ انتقام سے چلائے جاتے ہیں سارے ابوطالب کی سپرِ حمایت روک لیتی ہے۔ صحابہؓ کے اذیت پہنچانے کو غیظ و غضب کی مجانیق سے جتنے پتھر برسائے جاتے ہیں۔ ابوطالب کی حفاظت کے حصنِ حصین میں شگاف کئے بغیر گر کر پاش پاش ہو جاتے ہیں۔ ابوطالب کی حمایتِ رسول ایسا محکم حصار تھا کہ قریشِ مکہ اور مشرکینِ مکہ کے سب سہام و سنان جو محمد صلے اللہ علیہ وسلم

اور ان کے رفقائے صادقین پر چلائے جاتے تھے۔ ابوطالب کی حدودِ حمایت سے تجاوز نہ کر سکتے۔ سوچتے ہیں کہ ابوطالب مرتا ہے۔ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔ کہ کس طرح الٰہ کثیرہ کی حکومت ملیامیٹ کر کے نظامِ عالم کی زمام خدائے واحد کے سپرد کی جاتی ہے۔ ابوطالب ہمارے سامنے نئے دین پرستوں کے لئے روئین سدِ سکندر تھا۔ جب یہ سدّ نہ ہوگا ہم من مانی اور دل بھاتی تکالیف و اذایا سے بے دینوں (صحابہ) کا ایسا ناطقہ بند کریں گے کہ توبہ کے سوا چارہ نہ ہوگا۔

پھر خود ہی کہتے کہ یہ مانا کہ ابوطالب مر جائے گا۔ مگر مسلمانوں میں عمرؓ و حمزہؓ ایسے جوشیلے اور جری جوان موجود ہیں۔ وہ غضب آلود فطرت کے مالک۔ انہیں سریع التاثر طبیعت ودیعت ہوئی ہے۔ رسولؐ پر حبّاً جمّاً جان نثار کرتے ہیں۔ دین جدید کے لئے دلیری وجرأت میں لطش شدید رکھتے ہیں۔

غیرتِ نفس۔ قریشی تقلید۔ عربی حمیت غرض کہ کوئی چیز بھی جب ابوطالب کو اس بھتیجے کی حمایت سے جس نے اس کے دین کو چھوڑا اور عبدالمطلب ہاشم اور عبدمناف کے دین کو علانیہ خیرباد کہا باز نہ رکھ سکی۔ پھر عمرؓ اور حمزہ تو اسلام قبول کر چکے ہیں۔ **محمد** صلے اللہ علیہ وسلم کے گرویدہ ہیں ان سے بچاؤ کیونکر ہوگا۔

ابوطالب سے وفدِ قریش کی آخری ملاقات

ابوطالب موت کی انتظار میں ہیں۔ اشرافِ قریش کا وفد پھر حاضر ہوتا ہے۔ کہتے ہیں۔ ابوطالب جانتے ہو کہ ہم آخری وقت کیوں آئے۔ تمہاری موجودہ حالت مخدوش ہے صحت خطرہ سے خالی نہیں۔ ہمیں تمہاری موت نظر آ رہی ہے اپنے بھتیجے کا برتاؤ بھی جو ہم سے ہے۔ تم اچھی طرح جانتے ہو۔ یہ ہم کب تک برداشت کریں گے۔ تمہاری آنکھوں کے سامنے فیصلہ ہو جائے تو بہتر ہے اسے بلا لو۔ ہمارا فیصلہ تمہارے ہاتھ ہے۔ انصاف سے فیصلہ کرو۔ جو اسے ہم سے لینا ٹھیرے۔

بلے در نگ لے لیوے۔ جو اسے ہمیں دینا آئے اس میں تامل و تاخیر نہ کرے۔ ہم اس سے باز آئے۔ ہمارا پیچھا چھوڑے نہ ہم اس کے دین سے معترض ہوں گے نہ وہ ہمارے دین میں اعتراض و نکتہ چینی کرے۔

یہ بات ختم نہ ہونے پائی تھی کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہوتے ہیں۔ دیکھا قریش کا وفد ابوطالب کے پاس موجود ہے۔ آپ بیٹھ گئے۔ ابوجہل نے وفد کا مافی الضمیر پھر دہرایا اور مقصد ظاہر کیا

محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا: نعم کلمۃٌ واحدۃٌ تعطونیھا"

میری صرف ایک بات مان لو۔ میں زیادہ نہیں چاہتا۔ سب کچھ تمہارا ہے۔ عرب و عجم تمہارے غلام ہوں گے۔ زمین و آسمان تمہارے خدام رہیں گے۔ بادل سورج چاند ستارے تمہاری خدمت میں کمربستہ چکر کاٹیں گے۔ ابوجہل یہ سن کر بہت خوش ہوا۔ ان کے لئے یہ گوارا اور پسندیدہ کلمہ شہد و شیر کا گھونٹ تھا۔ دماغ بلیوں اچھلنے لگا۔ خیالات کروٹیں لے رہے ہیں۔ سب خاموش ہیں۔ ابوجہل خوش ہو کر کہتا ہے۔ نہیں نہیں ایک کیوں۔ تیرے باپ کے سر کی قسم ہم تو آپ کی ایک نہیں دس باتیں ماننے کو تیار ہیں۔ ہاں ہاں میرے پیارے بھائی کے بیٹے محمد صلے اللہ علیہ وسلم، کہو تو تم کیا چاہتے ہو۔ محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تقولون لا الٰہ الا اللہ و تخلعون ما تعبدون من دون اللہ" لا الٰہ الا اللہ کہہ دو۔ اور غیر اللہ کی عبادت چھوڑ دو۔

ابوجہل کی تیوری پہ بل آگئے۔ نہایت سٹ پٹایا۔ غضب سے آنکھیں انگارا سی ہو گئیں۔ غصّے سے دماغ چکرانے لگا ارکان وفد میں سے بھی بعض بول اٹھے اے محمد تو چاہتا ہے۔ کہ ہم اپنے آباؤ اجداد کے سارے معبود چھوڑ کر تیرے واحد خدا کو ماننے لگیں۔ اِنَّا وَجَدْنَا اٰبَآءَنَا عَلٰٓی اُمَّۃٍ وَّاِنَّا عَلٰٓی اٰثٰرِھِمْ مُّقْتَدُوْنَ۔ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طریق پر پایا۔ ہم ان کے قدموں پر چل رہے ہیں معاملہ اسی پر ختم ہوا۔ وفد اٹھ کر چلا گیا۔

حزن وغم کی انتہا

مصائب اور تکلیفات رُوح کے لیئے سوہان ہوتی ہیں. ان سے روح صیقل ہوتا ہے. چمکتا و مکتا ہے. نہیں نہیں. غم والم اور حزن و اندوہ روح کی پسندیدہ غذا ہے. دل بہار اور روح افزا شربت ہے۔

ادھر عمِّ کریم نے اپنی موت سے داغِ مفارقت دیا. ادھر تین دن نہ گذرنے پائے کہ رفیقۂ حیات خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا داغ مفارقت دے کر منزل گاہِ آخرت میں جا انتظار کرنے لگی۔

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ابو طالب سے زیادہ کون عزیز تھا. جس نے آپ کی پرورش کی. اعداء اشقیا کے سب بوجھ اُٹھائے. سب دوستوں رشتہ داروں کو چھوڑا. مگر رؤف و رحیم یتیم بھتیجے کے سر سے ہاتھ نہیں اٹھایا. ہاں ہاں رفیقۂ حیات خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس سے زیادہ محبوب تھی جس نے اس وقت رسالت کی تصدیق کی جب کوئی ایک بھی مؤمن نہ تھا. آپ سے محبت کی. آپ کی نصرت کی. اور جن کے بطن سے سیّدۃ النساء فاطمۃ الزہرا ایسی بیٹی پیدا ہوئی. ابراہیم کے علاوہ حضور کی ساری اولاد اسی محبوبہ کے بطن سے ہوئی.

ہائے غم. نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم دو مخلص رفیقوں کی جدائی میں محزون و مغموم ہیں. مؤمنین قانتین بھی اپنے آقا کے غم میں شریک ہو کر حزن والم میں تڑپ رہے ہیں.

یہ غم والم بھی ایمان والوں کے نفوس کو صیقل کر رہا ہے. مؤمنوں کی ارواح اور تزکیہ پا رہی ہیں. گویا ان کی رُوحوں کو اس غم سے تازہ غذا پہنچ رہی ہے جو آئندہ جہادِ شاقہ کے لئے خزانہ کا کام دے گی. جہاں جسمانی تکالیف کے ساتھ ساتھ روحانی کوفت بھی موجود ہوتی ہے. چونکہ نظر آ رہا ہے. میدانِ جنگ میں باپ بیٹے کے مقابل ہوگا. بھائی بھائی کا سر اتار دے گا۔

ابوطالب کی وفات کے بعد

اب قریش مکہ اور مشرکین مسلمانوں کے خلاف سوچتے ہیں۔ کسی قابل قبول نتیجہ تک دماغ رسائی نہیں پاتے۔ مومنوں میں روحانی قوت اور زیادہ نفوذ کر رہی ہے۔ مصائب برداشت کرنے کو سینہ سپر ہیں۔ بقول ؎

مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہوگئیں

رفیق شفیق سے بار بار التجا کرتے ہیں مگر رؤف و رحیم جنگ کی اجازت نہیں دیتے حمزہؓ۔ عمرؓ۔ علیؓ ایسے دلاور بصد الحاح کوشاں ہیں کہ آمنے سامنے کا مقابلہ ہو جائے سرورِ دوجہاں نفوس انسانی کی عظمت و قیمت جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی اشرف ترین مخلوق میں خونریزی کرنے کو خدائے قدوس کی ناراضگی سمجھتے ہیں۔ فرماتے ہیں ابھی وقت نہیں۔ پورے وسائل مہیا نہیں۔ صبر سے کام لو۔ ابھی جسم اور روح کو اور ریاضت میں مشاق ہو لینے دو۔

آنحضور سب کو چھوڑ اکیلے چپ چاپ بنی ثقیف میں حق کا پیغام پہنچانے کے لئے طائف کا رخ کرتے ہیں۔ مگر وہ بدعاقبت بھی جَعَلُوْٓا اَصَابِعَهُمْ فِیْٓ اٰذَانِهِمْ کانوں میں انگلیاں ڈال منہ موڑ لیتے ہیں۔ بازاری لونڈے پیچھے لگا دیتے ہیں۔ پتھر مارتے ہیں۔ تالیاں بجاتے ہیں۔ پاگل۔ دیوانہ کے نعرے کستے ہیں۔ لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ۔ حم سجدہ آیت ۲۶۔ کی منادی کرتے ہیں۔ قرآن نہ سننا اس کو خلط ملط کرنے کی کوشش کرو۔ تب غالب آسکتے ہو۔ نبی کریمؐ نے کوتاہ نظر سفیہہ دماغ لونڈوں سے پیچھا چھڑایا۔ ایک دیوارِ باغ کی آڑ لی۔

دیوار کا سایہ

یہ باغ پسرانِ ربیعہ کا ہے۔ دونوں بھائی عتبہ اور شیبہ باغ میں موجود

ہیں۔ سارا تماشہ آنکھوں سے دیکھا کانوں سے سُنا۔ آنحضور دیوار سے پُشت لگا کر بیٹھ گئے۔ غم و الم اور حزن و فکر چہرہ پر نمایاں ہیں۔ عتبہ اور شیبہ نے دیکھا خُدا کے رسُول نے دعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے۔ ”خدایا تیری درگاہ مقدس میں میری شکایت نہیں التجا ہے۔ اے ارحم الراحمین اپنے ضعفِ حال۔ کمزوریٔ قویٰ فقدانِ وسائل اور رسوائی اور ذلّت کو درگاہِ عالی میں پیش کرتا ہوں۔ تمام کمزوروں کا تو ہی رب ہے۔ میرا بھی تو ہی مالک اور رب ہے۔ خُدایا تو نے مجھے لوگوں کے سپرد کر دیا۔ ان لوگوں کے سپرد کر دیا؟ جو تیری رحمت سے راندے ہوئے ہیں۔ مجھے میرے اور اپنے دشمنوں کے حوالے کر دیا۔ میرے مولا اگر تیرا ایسا کرنا کسی ناراضگی کی وجہ سے نہیں تو میرے اللہ پھر مجھے فکر نہیں۔ پھر بھی میرے اللہ میں تیری رحمت سے عافیّت چاہتا ہوں۔ تیرے ظلِ عاطفت اور نورِ وجہ کی پناہ چاہتا ہوں۔ وُہ نورِ وجہ جس کی ایک شعاع ظلماتِ کفر کے لئے ابدی موت ہے۔ دُنیا و عاقبت کی صلاحیتیں اس سے وابستہ ہیں۔ خُدایا مجھے اپنی پناہ میں لے لے۔ خُدایا اپنے غضب اور عتاب سے مجھے خود بچا۔ میں صرف تیری رضا چاہتا ہوں اور بس۔ ولاحول ولا قوۃ اِلاَّ باللہ العلی العظیم۔

اللہ مجیب الدعوات ہے۔ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان سے دعا کے لفظ نکلتے ہی ساتوں آسمانوں سے پار عرش معلّٰی پر درگاہِ قدس میں جا رُکے۔ اسی تیزی سے خُدا کا فرشتہ آسمان سے اُترا۔ محزون رسُولؐ کے قدموں میں آکر دو زانو جھک جاتا ہے۔ عرض کی۔ میرے آقا۔ اجازت ہو۔ تو ان بدبختوں کو پہاڑ سے ٹکرا کر ریزہ ریزہ کر دوں۔ اللہ انہیں زمین میں دھنسا دیوے۔ چاہے تو ان پر پتھر برسائے۔ رؤف و رحیم نبی فرماتے ہیں۔ میرے دوست مجھے تو اللہ تعالےٰ نے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا۔ عذاب رحمت کی شان کے خلاف ہے۔ یہ نہیں مانتے نہ مانیں۔ ”ارجُوا ان یخرج اللہ من اصلابھم من یعبد اللہ“ امید کرتا ہوں اللہ کریم ان کی پشتوں سے اپنی عبادت کرنے والے بندے پیدا کرے گا۔

عداس نصرانی اور محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم

عتبہ و شیبہ دیکھ رہے تھے۔ کان بھی ادھر لگے ہوئے تھے۔ دل بھر آیا۔ اپنے خادم عداس نصرانی کو بلا کر کہا چند اچھے انگوروں کے خوشے توڑ لے اور اس مسافر کو جا کر دے۔

عداس انگور کے خوشے لیکر پہنچا۔ سرورِ دو عالم انگور کا دانہ منہ میں ڈالنے سے پہلے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کہہ کر لب و دہن کو اللہ کے ذکر سے تزکیہ کا رنگ دے لیتے ہیں۔ یہ بھی منعم حقیقی کی نعمت کا شکریہ ہے۔

عداس متوجہ ہوا۔ غور سے دیکھا۔ پوچھا۔ مسافر! تو کہاں کا رہنے والا ہے۔ یہ لوگ تو اس قسم کا کلمہ نہیں کہا کرتے۔

محمد صلے اللہ علیہ وسلم! تم بھی تو بتاؤ۔ تم کہاں کے رہنے والے ہو۔

عداس:۔ میں نینوا کا رہنے والا ہوں۔

محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم:۔ آہا۔ وہ تو میرے نیک بھائی یونس بن متی کا مولد و مسکن ہے۔

عداس:۔ آپ یونس بن متی کو کیونکر جانتے ہیں۔ ان سے آپ کے کیا تعلقات۔ کیسے راہ و رسم ہے اور وسائل تعارف کیا ہیں۔

محمدؐ صلعم:۔ وہ میرا بھائی ہے۔ روحانی بھائی۔ وہ نبی تھا۔ میں بھی نبی ہوں۔

یہ اللہ کے دو بندے جن میں ایک نبی ہے۔ دوسرا نبی کو ماننے والا ہے۔ ایسی سرزمین میں کھڑے "ایک شیریں مکالمہ سے لطف اندوز ہو رہے ہیں" جس کی پشت پر ہر طرف کفر و شرک کا بحرِ بے کنار لہریں مار رہا ہے۔ لیکن ان دونوں رفیقوں میں روحانی قرب موجود ہے۔ حرارتِ الفت عداس کی رگ رگ میں تگ و دو کرنے لگی۔ عداس کے قلبِ عقیدت پر جونہی نورِ رسالت کی ذراسی جھلک پڑی بے اختیار جھک گیا۔ سر کا بوسہ لیا۔ ہاتھ چومے۔ دو زانو تعظیم کے لئے بیٹھ گیا۔ دیر تک بات چیت ہوتی رہی۔ عتبہ اور شیبہ دونوں بھائی دیکھتے رہے۔

گو ایمان نہ لائے۔ مگر متأثر ضرور ہوئے۔

مادی منفعت حق سے بھٹکا دیتی ہے۔ طائف اہل مکہ کا صحت افزا مقام تھا۔ قریش مکہ تابستاں وہاں گذارتے تھے۔ ان کے صنم اعظم "لات" کا ٹھکانہ وہیں تھا۔ اس لیے طائف بنی ثقیف کے لئے معاشی ترقی کا ذریعہ تھا۔ جو لوگ وہاں گرمی گذارنے آتے۔ ان سے کافی تجارت ہوتی۔ بنی ثقیف ان تجارتی منافع کے پیش نظر بھی اسلام کی طرف مائل نہیں ہوتے تھے چونکہ اسلام قبول کرنے سے قریش مکہ سے تعلقات باقی نہیں رہ سکتے تھے۔ یہ مادی منفعت حق سے ان کی آنکھیں بند کئے ہوئے تھی۔

ادھر اسلام ابھی عالم طفولیت میں ہے۔ گھٹنوں کے بل چلنے کی توانائی بھی نہیں رکھتا۔ اسے مادی منافع کی بجائے قربانیوں کی ضرورت ہے۔ نہ خود صاحب دین متین بنی ثقیف کی جیبیں مال و زر سے بھر سکتا ہے۔ اور نہ اس کے رفیق کسی سرمایہ کے مالک ہیں۔

حج کا موسم آ گیا۔ لوگ جمع ہو رہے ہیں۔ سرور دو عالمؐ مختلف قبائل میں اسلام پیش کر رہے ہیں۔ آپ کا حقیقی چچا عبدالعزیٰ ابولہب عوام و خواص میں آپؐ کے خلاف نفرت انگیز ہیجان برپا کر رہا ہے۔ اس کی زوجہ ام جمیل ابی سفیان کی بیٹی ایذا رسانی کے تمام حربے استعمال کر رہی ہے۔ کانٹے اٹھا کر آپؐ کے راستہ میں پھیلاتی ہے۔ عتاب الٰہی نازل ہوا۔ تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ الخ انہی دنوں معراج ہوا۔

معراج

وقوع معراج اسلام کے تمام فرقوں میں مصدقہ و مسلّمہ امر ہے۔ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰى نص محکم اس کی شاہد ہے۔ بیت الحرام سے بیت المقدس تک کی شہادت قرآن کریم میں موجود ہے۔ وہاں سے سبع سموٰت تا عرش

اور مارفعه الله الیه کے لئے احادیث صحیحه ناطق ہیں۔
ہاں نوعیت وقوع یا زمانِ وقوع کے متعلق کچھ اختلاف ہے۔ بعض بحالتِ بیداری بجسدِ عنصری آسمان پر جانے کے قائل ہیں۔ بعض معراج روحانی بصورتِ رؤیا پر اعتماد و اعتقاد رکھتے ہیں۔ بہر حال مطلق معراج سے انکار نہیں لیکن نوعیّت، وقوع میں اختلاف بھی جب فتورِ نیت یا فتورِ اعتقاد سے نہ ہو۔ ایمان پر کوئی زد نہیں آتی۔ حضور نے اختلاف کو رحمت فرمایا ہے۔ اختلاف اکثر اوقات اجتہادی غلطی سے ہو جاتا ہے یا عدمِ تدبر و تفکر یا غور و خوض میں بے اعتنائی اور نا اندیشانہ کورانہ تقلید سے ہوتا ہے۔ ذرا بھی عقل و فکر کو کام میں لایا جائے۔ تو معراج بجسدِ عنصری میں بھی کوئی امر محال نظر نہیں آتا۔ خصوصاً عصرِ حاضرہ میں جب کہ علومِ جدیدہ کی کثرت اور وسعتِ دریافت نے ناممکن اور محال کا تصور ہی باقی نہیں رہنے دیا۔ آج ناممکن صرف وہی چیز ہے جس کا ہمیں علم نہیں۔ یا جن امور کے سمجھنے کے لیے انسانی فہم و ادراک کی قوتیں ابھی تک زنگ آلودہ ہیں۔ ممکن ہے کل یہی امور انکشافاتِ علمی کی روشنی میں منصۂ شہود پر جلوہ گر ہو کر عام و خاص کے لئے بدیہیات بن جائیں۔

ہمیں معلوم ہے آج سے صرف پچاس سال پہلے اگر کوئی یہ خبر دیتا کہ میں فلاں جگہ دیکھ آیا ہوں لوگ منوں بوجھ ساتھ لئے فضا میں ہوا کے کندھوں پر اس تیزی سے دوڑتے پھرتے ہیں کہ پروازِ سحاب بھی ان کی سرعتِ رفتار کے سامنے ہیچ ہے۔ یا امریکہ میں ایک آدمی خطاب کر رہا ہے اور عرب۔ ہند۔ چین۔ افریقہ میں بیک وقت ہر آدمی گھر بیٹھے سن رہا ہے تو کوئی یقین نہ کرتا۔ اور یقین آتے بھی کس طرح جبکہ ہمارے ظرفِ ادراک کی تنگی اتنے وسیع مظروف کی متحمل ہی نہ تھی۔ قرآن کریم نے سلیمان علیہ السّلام کے لئے تسخیرِ باد کی وضاحت بھی کر دی۔ اور فرمایا: وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ (الآیۃ) انبیاء
پھر بھی قرآن پر پختہ ایمان رکھنے والے کئی مسلمان وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا

شَھْرٌ وَرَوَاحُھَا شَھْرٌ۔ سبا (۱۲) کی تاویلیں ڈھونڈتے رہے۔ اور مفہوم ظاہر کو ماننے میں ہزاروں پیچ و تاب کھاتے تھے۔ ایسے ہی مدینہ منورہ میں خلیفہ ثانی دورانِ خطبہ میں بر سر منبر "یاساریۃ الجبل" فرماتے ہیں۔ اور ساریہ اسلامی افواج کا سپہ سالار ایران کے علاقہ نہاوند میں دشمن سے بر سر پیکار ہے۔ دشمن پہاڑ کی آڑ لے کر پیچھے سے حملہ کرنا چاہتا ہے۔ ساریہ بے خبر ہے۔ خلیفۃ المسلمین خدا کی دی ہوئی بصارت سے مدینہ منورہ میں منبر پر ہی دشمن کی نیت اور پوشیدہ حملہ کے ارادہ کو تاڑ جاتا ہے۔ وہیں سے آواز دے کر ساریہ کو آگاہ کرتا ہے۔ ساریہ آواز سن کر چوکنا ہوا۔ سامعین حیران ہیں۔ کہ خطبہ میں اس غیر متعلقہ جملہ "یاساریۃ الجبل" کا مفہوم کیا ہے۔ وقت گذر گیا۔ مسلمانوں کو فتح ہوئی ساریہ مدینہ منورہ میں واپس آئے۔ احباب میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ وہی ذکر درمیان آیا ساریہ نے کہا مجھے خوب یاد ہے۔ فلاں تاریخ جمعہ کے روز عین خطبہ کا وقت ہوگا کہ عمرؓ کی آواز میرے کانوں میں آئی۔ ساریہ دشمن پہاڑ کے پیچھے گھات لگائے ہے۔ دشمن کی روک تھام تو میں نے کر لی۔ مگر عمرؓ کو میری آنکھیں ڈھونڈتی ہی رہیں۔ وہ کہیں دکھائی نہ دیئے۔ اب خطبہ میں یا ساریۃ الجبل کا عقدہ حل ہوا۔

اس واقعہ کی صحیح تاریخی تصدیق پاتے ہوئے بھی آج تک ہم سوچ بچار میں رہے کہ یہ فہم و فکر سے بالا امر کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ قدرت نے اس مذہبی عقیدہ کی تصدیق و تائید کے لیئے اس مادی علم کا انکشاف کر دیا۔ امریکہ میں کوئی لیکچر دے رہا ہے۔ لندن میں خبریں نشر ہو رہی ہیں۔ بغداد میں قرآن پڑھا جا رہا ہے۔ کوئی کراچی میں غزلیں گا رہا ہے۔ ہم مغربی پاکستان کے صوبہ پنجاب میں گھر بیٹھے سب کچھ سن رہے ہیں۔ حتیٰ کہ ساٹھ یا اسّی میل فی گھنٹہ تیز رفتار کار میں سفر کرنے والے بھی وہی گانے اور خبریں سن سنکر محظوظ ہو رہے ہیں۔ ٹیلی ویژن کی ایجاد نے اور ہی غضب کیا کہ اس خطیب و مغنی کو ہماری آنکھوں کے سامنے لا کھڑا کیا جس سے ہم خطیب کے ہر ہر عضو کی حرکات و سکنات کو بھی دیکھ سکتے ہیں۔

جب انسان کے ایجاد کردہ مادی آلات سے ہم اتنی دوری میں دیکھ اور سُن سکتے ہیں. تو پھر اللہ کے دیئے ہوئے نورِ بصیرت سے دیکھنا یا سُننا کیا مشکل ہے۔ آخر کہنا پڑے گا کہ ناممکن وہی چیز ہے جس کا ہمیں علم نہیں۔

یہی ناممکن اور محال کا تصور بعض علمائے کرام کو رُوحِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کے جسد عنصری کے ساتھ آسمان پر جانے سے انکار پر آمادہ کرتا رہا لیکن علوم عصریہ کی ایجادات نے تمام توہمات کا قلع قمع کر دیا۔ یہاں تک کہ عصرِ حاضر کے ماہر سائنس دانوں نے چاند میں بھی انسانی آبادی کا تخیل پیدا کر کے ان سے نامہ و پیام کرنے یا خود وہاں پہنچنے کی جو کوشش جاری کر رکھی ہے۔ جس کے لئے کئی قسم کے راکٹ تیار کر کے شب و روز نئے نئے تجربات میں منہمک ہیں یہ ثابت کر دیا ہے کہ انسان آسمانی سقوف سے پھاند کر دوسری دُنیا میں جا سکتا ہے۔ ماہرینِ علم نے تسلیم کر لیا ہے. کہ چاند تک پہنچنا ممکن ہے۔ شاید آج نہیں کل کوئی ایسا انکشاف ہو جائے۔ جس کے ذریعہ ہم چاند کی دُنیا میں ان اجسام سمیت پہنچ جائیں. اگر بالکل بھی نہ پہنچ سکیں. تاہم امکان تو تسلیم کر لیا گیا ہے۔

معراج جسمانی پر عقلی دلائل

پیشتر ازیں کہ معراج جسمانی پر کچھ دلائل لکھوں چند اصولوں کا پیش کرنا ضروری ہے۔

انسان سے اس کے افعال کا ظہور و صدور موجودہ اسباب کے مطابق ہوتا ہے۔

مثلاً ایک انسان جاہل اس لئے ہے کہ اس نے نوشت و خواند کے قواعد نہیں سیکھے

زید پانچ من بوجھ یا اس سے بھی زیادہ ایک جگہ سے دوسری جگہ آسانی کے ساتھ اس لئے لے جا سکتا ہے کہ اس نے بوجھ اٹھانے کی ریاضت اور مشق کی ہے۔ عمرو اس کے مقابلے میں خالی ہاتھ وہاں تک پیدل چلنے میں بھی معذور ہے کیونکہ جسم سے یہ کام نہیں لیا۔ اکھاڑہ میں وہی شخص مداخلت یا مسابقت کرے گا جس نے ڈنڈ پیل کر کشتی کی مشق میں جسم کو خوب چاق و چوبند کیا ہوگا۔ اور اس میں مہارت

پیدا کی ہوگی۔ ایسے ہی درگاہِ ربّ العزت ایک مقدس بارگاہ ہے۔ وہاں تقدس کے بغیر گذر نہیں۔ مقدس مطہر اور پاک انسان ہی وہاں داخل ہو سکتا ہے۔ مکدر اور نجس وجود کو اس پاکیزہ بارگاہ میں ہرگز باریابی نہیں ہو سکتی۔ نماز میں پاک جسم۔ پاک لباس۔ پاک مقام اسی لئے شرائطِ صحتِ نماز قرار دی گئی ہیں۔ عید و جمعہ کے غسل اور عطریات کے استعمال میں یہی حکمت مضمر ہے۔ قرآن میں سرورِ کائنات صلعم کو یہی فرمان آیا۔ یٰاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ۔ قُمْ فَاَنْذِرْ۔ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ۔ وَثِیَابَكَ فَطَهِّرْ۔ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ۔ یعنی اے رسولؐ میرے دربارِ اعلےٰ میں حاضری سے پہلے لباس اور جسم کو ہر قسم کی آلودگی سے پاک و صاف کر لے۔ جب انسان اپنے ظاہر کو پاک کر کے تزکیۂ باطن کی خاطر نیک ارادہ سے متوجہ الی اللہ ہوتا ہے۔ تو اس دربار سے خالی نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ باطن بھی روشن کر دیتا ہے۔

انسان کا قلب مختلف خیالات کا مورد ہے۔ سالکانِ مسالکِ طریقت اور راہ پیمایانِ شوارعِ طریقت نے ان کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) خاطرِ نفس۔ (۲) خاطرِ شیطان۔ (۳) خاطرِ ملکی۔ (۴) خاطرِ ربانی۔

(۱) خاطرِ نفس

وہ خیالات یا وارداتِ قلب ہیں۔ جو نفسِ امارہ کی طرف سے دل میں گذرتے ہیں۔ ان کے محرک و موجب قوائے غضبی و شہوی ہوتے ہیں۔ انسان انہی قوائے غضبی اور شہوی سے مغلوب ہو کر حرکات ناشائستہ افعال غیر بائستہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ ان افعال ذمیمہ کے ارتکاب سے بعنوانِ فرمانِ سرورِ کائنات پہلے دل پر ایک نقطہ باریکی سی چھا جاتی ہے۔ جوں جوں غم ہشاشت و شہوات غالب ہوتی جاتی ہیں۔ ظلمتِ قلب بڑھتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ سارا قلب نفسِ امارہ کی زد سے متاثر بلکہ پامال ہو کر اتباعِ ھویٰ کے سوا صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ کے مصداق ہر خیر و صلاحیت سے کورہ کر ہو جاتا ہے۔

(۲) خاطرِ شیطان

ابلیس خبیث جب دل پر سیاہ نقطہ پاتا ہے۔ مردار پر زاغ و زغن کی جھپٹ سے تیز تر برقِ خاطف

بن کر اس قلب پر گرتا ہے۔ اور اس نقطہ سیاہ کو اپنا مرکز بنالیتا ہے۔ جس سے ظلمانی اور تاریک عناصر اور زیادہ ہوتے ہیں۔ دل میں طرح طرح کے وساوس چھا جاتے ہیں۔ بداعمالی اور فسق و فجور جامہ زیب بن کر آنکھوں میں سرور کانوں میں راحت و فور پیدا کرتے ہیں۔ "اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ" کا نقشہ پیدا ہوجاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان شروع شروع میں شراب نوشی زناکاری وغیرہ جرائم کے ارتکاب میں جھجکتا ہے۔ چھپ چھپ کر کرتا ہے۔ لیکن جب عادت ہوگئی تو شارع عام میں شراب پیتا ہے۔ فسق و فجور کرتا ہے حیا کا پردہ ہی نہیں رہتا جو مانع ہو۔

(۳) خاطرِ ملکی یہ وہ قوت ہے۔ کہ اس کے ذریعہ عالم بالا سے بواسطہ ملائکہ دل پر ملکوتی اثرات وارد ہوتے ہیں جس سے شرح صدر حاصل ہوتا ہے۔ یہ شرح صدر انعاماتِ الٰہی اور اس کی رضائے نامتناہی کی نشانی ہے۔ کلام قدیم میں آیا ہے۔ "مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ اَنْ یَّھْدِیَهٗ یَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ" جسے اللہ ہدایت دینا چاہے۔ اُسے شرح صدر نصیب ہوتا ہے۔

(۴) خاطرِ ربّانی جب یہ قوت نصیب ہو اور جس کو نصیب ہو۔ ہر سہ ماسبق خواطر کے اثرات دل سے مٹ جاتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پہلی صورت میں انسان شہواتِ بہیمیہ سے مغلوب ہوکر بہائم میں شامل ہوجاتا ہے بلکہ ھُمْ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلّ۔ کا مرتبہ پاتا ہے۔ دوسری صورت میں اسے شیاطین کی رفاقت اور حمایت حاصل ہوتی ہے۔ تیسری صورت میں شرح صدر پاکر اقلیم قلب کو جنودِ نور و عساکر ملائکہ کا مسکن بناتا ہے۔ تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِ الْمَلٰٓئِکَةُ۔

چوتھی صورت:۔ یہ جوہر الہام الٰہی سے ہے۔ یہ وہبی فیضان من جانب اللہ اور لدنّی نور ہے۔ انسانی قلب پر اس کا ورود کثرتِ عبادت اور صدق ارادت سے بھی ہوتا ہے۔ اس کے سامنے ہر قسم کے ظن و شکوک اور اوہام باطلہ عدم ہو

جاتے ہیں۔

اب یہ جاننا چاہیئے کہ انسان جس طرح جسمانی ریاضت اور مشق سے جسم میں من مانی قوت پیدا کر سکتا ہے روحانی مشق سے روح میں بھی طاقت پیدا کر سکتا ہے۔ کرامات اولیائے کرام اور معجزات انبیا عظام اسی روحانی قوت کے ثمرات ہیں۔

مشاہدات اور مروجہ واقعات بتاتے ہیں۔ کہ بعض صوفیائے ہنود نے بھی استدلجا روحانی قوت کو اس درجہ پہنچایا کہ اجسام میں روحانی خواص پیدا کرکے خارق عادت کا مظہر بن گئے۔ ہوا میں اڑے۔ پانی پر چل کر دکھایا۔ دم کشی کی مشق سے زیر زمین دفن ہو کر غیر معمولی وقت تک زندہ رہے۔ تاریخوں میں ۱۸۳۸ء کا ذکر ملتا ہے کہ ایک ہندو فقیر مہاراجہ رنجیت سنگھ کے پاس آیا۔ کہا مجھ سے ایک خارق عادت امر کا نظارہ دیکھو۔ رنجیت سنگھ ایسے امور کا منکر تھا۔ پوچھا تو کیا کرشمہ دکھائے گا۔ سادھو نے جواب دیا مجھے زیر زمین دفن کر دو۔ چالیس روز تک زندہ رہوں گا۔ اس وقت مہاراجہ کے دربار میں امرائے پنجاب کے علاوہ چند فرانسیسی اور انگریز ڈاکٹر بھی موجود تھے۔ فقیر کی ہدایت پر ڈاکٹر معائنہ کے بعد اس سادھو کے ناک اور کانوں کے سوراخوں کو روئی ڈال کر موم سے بند کر دیا گیا۔ پھر کفن دے کر چوبی صندوق میں رکھ کر قفل لگا کر سب سے سامنے مہاراجہ نے قفل پر اپنی مہر لگا دی۔ شاہی باغ کے ایک کمرہ میں زیر زمین دفن کر دیا گیا۔ کمرہ کو قفل لگا کر اس پر بھی مہر لگا دی گئی۔ خاص محافظوں کی کڑی نگرانی میں جب چالیس دن پورے ہو گئے سب کے سامنے صندوق کھولا گیا اور فقیر مذکور لاش کی صورت صندوق سے نکالا گیا۔ پنڈلیاں اور بازو سخت ہو چکے تھے۔ گویا خون کا دورہ ان اعضا سے بند ہو چکا تھا۔ سر ایک جانب کندھے کے ساتھ لگ گیا تھا۔ ظاہرا معلوم دیتا کہ کئی دنوں سے حیات جواب دے چکی ہے۔ ڈاکٹروں نے جب معائنہ کیا۔ قلب میں حرکت نہیں۔ کنپٹی ساعد وغیرہ میں نبض ساکن ہے۔ بہت غور و خوض کے بعد ایک ڈاکٹر اس نتیجہ پر پہنچا کہ منطقۂ دماغ میں حرارت موجود ہے۔ اس لئے حیات عود کر

آنے کا امکان باقی ہے۔

سادھو کی ہدایات کے مطابق مناخر سے رُوئی اور موم نکالے گئے۔ گرم پانی سے جسم خوب دھویا گیا جسم آہستہ آہستہ نرم ہونا شروع ہوا۔ حیات کے اثرات نمودار ہونے لگے۔ پٹھے پھڑکنے لگے۔ جسم میں جنبش ہوئی۔ پسینہ آگیا۔ تمام اعضاء میں زندگی پھر گئی۔ فقیر نے جونہی آنکھیں کھولیں۔ مہاراجہ سامنے نظر آیا۔ دھیمی آواز سے بولا۔ مہاراج میرا دعویٰ صحیح ہوا۔ حاضرین حیرت زدہ ہو کر رہ گئے۔ عقول تلملاتی رہیں۔

یہ واقعہ استدراج یا ریاضت کسی کا ایک نمونہ ہے۔ غور کیا جائے تو یہ واقعہ بھی اصحاب کہف کے واقعہ کی طرح عجیب ہے۔ فرق یہ ہے کہ سادھو فقیر کا واقعہ ریاضت دم کشی کا نمونہ ہے اور اصحاب کہف کا واقعہ باری تعالیٰ کی رحمت کی آیت ہے سادھو کی سرگزشت بھی جو حیاتِ عامہ کے خلاف ہے۔ بالکل نظر اندازی کے قابل نہیں اس لئے کہ وہ مقفل صندوق و حجرہ میں زیرِ زمین مکفّن اس ہوا سے محجوب و محروم مدفون ہوا۔ جس کے بغیر زیست ماہیٔ بے آب کی طرح محال ہے۔ اور اصحاب کہف غار کی ایسی کھلی جگہ اللہ کی حفاظت میں محوِ خواب ہیں جہاں غار کا رخ باد شمال کی طرف کھلتا ہے۔ وہاں سے ہر لحہ لطیف ہوا کے جھونکے باد کشی کی خدمات ادا کر رہے ہیں۔ سورج اور چاند کی روشنی خدمت گذاری میں مشغول ہے۔ اصحاب کہف میں غرابت کا پہلو صرف طول مدّت ہے۔ اور یہ بھی کونسی غرابت ہے جبکہ ان کی لمبی نیند مشیّت ایزدی اور تقدیرِ قدیر سے وقوع میں آئی ہے۔

ظاہر ہے کہ جب انسان بدنی ریاضت سے اپنے جسم میں ایسی قوّت پیدا کر سکتا ہو۔ اور اس قدر طویل عرصہ تک اسباب زندگی منقطع ہونے اور معتاد حالت میں سانس اور خون کا دَورہ رُک جانے کے باوجود بھی زندہ رہ سکتا ہو جو بالکل سُنن جاریہ عادیہ اور قواعد معتادہ عامہ کے خلاف ہے۔ تو صاحب عقل و فکر اور ذی بصیرت انسان مشیّتِ باری تعالےٰ سے صدرہ افعال میں کیوں تامل کرے۔ جب انسان کسی خارق عادت امر سے انکار کرتا ہے تو بہانہ یہ تراش لیتا ہے

کہ ایسا ہونا سنّت اللہ کے خلاف ہے۔ یہ حکمت کا تقاضا نہیں اور یہ خیال نہیں کرتا کہ اللہ کی حکمت کا علم اللہ تعالےٰ کی سنّت اور قانون کس کے دماغ فکر میں سما سکتے ہیں جبکہ اللہ کے قانون اور اس کے علم بلکہ اس کے کسی حصّہ پر بھی انسانی علم محیط نہیں ہو سکتا۔ لَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖ۔

ذرا تأمل کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ قانون الٰہی کے دو پہلو ہیں (۱) عادی مثلاً آگ کا کام جلانا ہے۔ خشک لکڑی کا کام ایندھن وغیرہ کے کام آنا اور تیز دھار لوہے کا کام کاٹنا ہے۔ (۲) دوسرا پہلو قانون ارادی ہے۔ اِذَا اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنَ۔ بلکہ کلمہ "کُنْ" بھی تفہیم کے لیئے ہے۔ ورنہ ذاتِ ایزد متعال ایجادِ شئی میں کُن کی محتاج ہے نہ مشیّت ارادہ کی منتظر بلکہ اس کا ارادہ اور کُن بھی اپنے اندر ایسا مفہوم رکھتے ہیں جو ادراک سے بالاتر ہے۔ باری تعالےٰ کا یہی قانون ارادی مافوق ادراک ناممکن امر کو ممکن اور محال کو فی الحال وقوع میں لاتا ہے۔ (۱) مثلاً قوم عادؔ و ہودؔ کا بادِ صرصر سے استیصال اور درشت آواز سے تباہی (۲) چھوٹے چھوٹے پرندوں کے گرائے ہوئے سنگریزوں سے اصحاب فیل کو کَعَصْفٍ مَّاْکُوْل بنا دینا۔ (۳) جس پانی سے موسیٰ علیہ السّلام اپنی قوم سمیت جس لمحہ پایاب ہو رہے ہیں۔ اسی ساعت اسی مقام پر اسی پانی میں فرعون بے عون کا اپنے عساکر سمیت ڈبکیاں کھا کر غرق ہونا۔ (۴) تیز دھار لوہے کی کارد کا اسمٰعیلؑ کے گلے کا بال بھی بیکا نہ کرنا۔ (۵) ابراہیمؑ پر نار کا گلزار بن جانا کیا کیا واقعات ہیں جن کا وقوع قانون عادی کے خلاف قانونِ ارادی کی صورت میں ظاہر نہیں ہوا۔

جس طرح دنیاوی حکومتیں اپنے عمومی قانون کے ساتھ ساتھ ہنگامی قانون بھی بناتی ہیں۔ ایسے ہی باری تعالیٰ کا ارادی قانون بھی ہنگامی قانون کا تصور دلاتا ہے۔ اور اس کا وجود بھی اللہ کے دوستوں کی اعانت اور بدبخت دشمنوں کا سر کچلنے کے لئے نہایت ضروری ہوتا ہے۔

یہ ارادی قانون اللہ تعالیٰ کا وہ قانون ہے جس کے احکام قانونِ جاریہ سے مختلف ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ارادی قانون میں ایسی کوئی چیز نہیں آ سکتی جس پر یہ صادق آئے کہ یہ نہیں ہو سکتا یا یہ ناممکن ہے۔ ورنہ عجزِ باری تعالیٰ لازم آئے گا۔ اور اس کے ارادہ میں عدمِ امکان کا تصوّر اور تخیّل ہی باطل ہے۔ کیونکہ اس سے قادرِ مطلق کی قدرت کو محدود کرنا پایا جاتا ہے۔

جیسے اس امر پر انسانی ذہن استقامت پذیر ہو جائے پھر معراج بجسدِ عنصری ہو یا اس سے بھی زیادہ انسانی ادراک سے بالاتر کوئی امر ہو تو اس کے وقوع میں شک خلل انداز نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ صدّیقؓ سے جب ابوجہل نے پوچھا تمہارا دوست کہتا ہے مجھے آج رات آسمانوں کی سیر کرائی گئی ہے۔ خدا نے مجھے اپنے پاس بُلایا ہے۔ کیا یہ صحیح ہے۔ ابوبکرؓ نے پوچھا۔ یہ دعویٰ حضورؐ نے کیا ہے؟ ابوجہل نے جواب دیا۔ ہاں۔ صدّیقؓ نے کہا خدا کی قسم جو کچھ بھی حضورؐ نے فرمایا۔ ٹھیک ہے۔ ان کا ذہن اس حقیقت کو جانتا تھا اور قلب اس کیفیت سے آگاہ تھا۔ لہٰذا فوراً تصدیق فرمائی۔ اور صدّیقؓ لقب پایا۔

اب قابلِ ذکر امر یہ بھی ہے۔ کہ جب ہم واقعہ معراج کی تصویر کا ایک رُخ دیکھتے ہیں۔ تو ہمیں نظر آتا ہے کہ درگاہِ قدس میں باریابی کا شرفِ عالی کس نے بخشا۔ آواز آتی ہے۔ اسی ذاتِ مقدس نے شرف بخشا جس کی درگاہ تقدس مآب میں اس کی رحمت اور فضل کے بغیر وجودِ امکانی کی مجال نہیں کہ پہنچ سکے۔ معراج کس نے کرایا؟ آسمانوں پر کون لے گیا؟ جواب میں اعتقاد کی لَے لحنِ داؤدی سے الاپتی سنائی دیتی ہے۔ وہی خدا لے گیا جس نے آسمان بنائے۔ اور جب چاہے گا ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔

تصویر کے دُوسرے رُخ کو دیکھتے ہیں کہ آسمانوں پر کون گیا۔ تو ایک ایسا کامل انسان نظر آتا ہے جو مجسم نور ہے۔ راحتِ جان ہے۔ اس کے مادی جسم میں رُوح کے خواص موجود ہیں۔ بشر ہے مگر بشریت عامی انسانوں سے نرالی ہے۔ نوعِ بشر

میں یہ مقام حاصل ہے کہ (۱) اس کے دربار میں اُونچا بولنے کی اجازت نہیں۔
(۲) اس کے قدموں کے نشانات پر چلنے کے بغیر بارگاہِ رب العزت میں باریابی نہیں ہوسکتی (۳) اس کی رضا پر مال۔ جان۔ بیوی۔ بچے۔ ماں۔ باپ۔ خویش واقارب قربان کر کے خدا کی رضا حاصل کی جاسکتی ہے۔ ورنہ نہیں (۴) آپ کا روح مطلق صاف تھا۔ اور قلب خواطر نفسانیہ کے ورود سے مصئون تھا بلکہ خواطر ربانی کا مرکز تھا۔
(۵) دو دفعہ شق صدر ہوا۔ (۶) قلب پر تمام خواطر ملکی و ربانی کا ہر وقت ورود ہوتا۔ جس سے روح کی صفائی کے ساتھ ساتھ جسم اقدس نے بھی روحانی جوہر اختیار کر لیا تھا۔ اور روح و جسم کے درمیان کوئی حجاب یا امتیاز نہ رہا۔ جس طرح رُوح میں طئی زمان ومکان کا ملکہ موجود تھا جسم میں بھی وہ ملکہ پورا پایا جاتا تھا۔
روایات اس امر کی تصدیق کرتی ہیں کہ (۱) آپ اطیط السماء (آسمانوں پر کے ملائکہ کے اژدھام کی آواز) ان مادی کانوں سے سُنتے تھے (۲) تبسم یا تکلم کے وقت نُور کی شعاعیں ظاہر ہوتی تھیں۔ (۳) کنوئیں میں لب مبارک ڈالی پانی معطر و شیریں ہوگیا۔ (۴) جب آپ سُورج یا چاند کی روشنی میں چلتے سایہ نہ ہوتا۔ (سیرت حلبیہ جلد سوم ص۲۳۹) (۵) جیسا آپ سامنے دیکھتے ویسا ہی پس پشت دیکھتے (نورالابصار ص۲۱ ضمن فصل دلائل نبوت) جیسا روشنی اور دن میں دیکھتے ویسا ہی تاریکی اور رات میں دیکھتے۔ آپ کے تھوک سے کڑوا پانی میٹھا ہو جاتا۔
(۶) آپ کا پسینہ مشک سے زیادہ معطر ہوتا۔ (۷) لمبے قد کے آدمی کے ساتھ چلتے ہوئے سربلند نظر آتے۔ مجلس میں بیٹھتے تو کندھے سب سے بالا ہوتے۔
بھلا جس جسم کے یہ اوصاف ہوں اسے عامی جسم سمجھنا کہاں کا انصاف ہے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بے شک بشر تھے مگر جسم مبارک ہم خصائص روحانی سے ممتاز ہو کر بشری لباس میں امتیازی درجہ رکھتا تھا۔ بلکہ جسم مادیت کا جامہ اتار روحانیت کی قبا زیب تن کر چکا تھا۔ روحانیت کا خلعت زیب تن کئے ہوئے اس جسم اطہر کے لئے قرب و بُعد کے لحاظ سے مکانی یا زمانی مادے کا ممکن و ناممکن حجاب کیسے

حائل ہو سکتا ہے۔ ہاں ہاں کوئی چیز مانع نہیں ہو سکتی۔ اور ایسے نورانی جسم پر جو عمومی بشری و جسدی لوازمات کے کدورات سے پاک و صاف ہے" مادی ممکنات کے عوارضات کا اثبات عقل و نقل سے بعید ہے۔ بلکہ انصاف کی حدود سے بھی بہت دور ہے۔ یہ صفائی اللہ سے محبت صادقہ کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے۔ روحانی ریاضت کے بعد انسان اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں درمیان میں غفلت کا حجاب یا زنگ نہیں رہتا۔

کیا یہ صحیح نہیں کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم جو کچھ عینِ قلب سے دیکھتے اسے مادی آنکھ سے بھی دیکھ سکتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب امینِ وحی جبرائیل علیہ السّلام انسانی لباس میں اصحاب رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو تعلیم دینے کے لئے تشریف لائے۔ بارگاہ نبوی میں دو زانو ہو کر پوچھا۔ ما الاحسان یا رسول اللہ۔ فرمایا ان تعبد اللہ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ۔ اللہ کی عبادت میں ایسی محویت اور توجہ اختیار کرو کہ تم جانو خدا کو ان آنکھوں سے دیکھ رہے ہو۔ حضور سرورِ کائنات کو یہ مرتبہ حاصل تھا اسی لئے فرمایا۔ کَاَنَّکَ تَرَاہُ۔

نیز مندرجہ ذیل اصول و قیاسات بھی اس امر کے مؤید ہیں۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ معراج جسمانی کا دعویٰ تھا۔ (۱) کفار کا انکار۔ حضور اگر صرف روحانی معراج کا دعویٰ فرماتے تو ناہنجار کفار اور مشرکین مکہ کو اس کے ماننے میں کیا امر مانع تھا۔ خواب کی حالت میں عوام کو ہزاروں جگہ سیر ہوتی ہے۔ آئندہ آنے والے واقعات کا علم ہوتا ہے۔ یوسف علیہ السّلام کے رویت شمس و قمر اور سجود کواکب کو تمام یہود اور نصاریٰ مانتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس قسم کی رویت پر ان کو کیونکر تعجب ہوا۔ (۲) کفار نے بیت المقدس تک کے راستہ کے نشانات اور بیت المقدس کے مکانات اور شوارع کا اتہ پتہ پوچھا اور آپ نے بتایا۔ اگر معراج بالجسد کا دعویٰ نہ ہوتا اس کے پوچھنے سے مطلب کیا تھا۔

چنانچہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں روایت ہے۔ آپ نے فرمایا۔ جب کفار نے

میرے دعویٰ معراج کو جھٹلایا اور مجھ سے نشانات پوچھے میں حطیم میں کھڑا ہو گیا۔ بیت المقدس میری آنکھوں کے سامنے تھا جو کچھ پوچھتے میں دیکھ کر بتا دیتا۔

(۲) آپ نے اس سفرِ شبانہ کے واقعات جب اپنی چچازاد بہن ام ہانی کو سنائے تو اس نے کہا یہ کسی اور سے مت کہیو۔ ورنہ کافر اور مشرک مزاح اڑائیں گے۔ استہزاء کریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

آپ گھر سے نکلے سامنے ابوجہل آ گیا پوچھا۔ بتاؤ کوئی اور تازہ آسمان کی خبر آئی ہے؟ آپ نے واقعہ معراج من وعن سُنا دیا۔ ابوجہل ہنسا اور کہا۔ لوگوں کے سامنے اس امر کا اعادہ اور اقرار کرے گا، فرمایا۔ میں حق کیسے چھپا سکتا ہوں۔ انعامات الٰہی پر پردہ ڈالنا کفرانِ نعمت ہے۔ مجھے تو حکم ملا ہے۔ کہ اپنے رب کی نعمتیں بیان کروں لوگ جمع ہوئے سب کچھ ذرا ذرا سُنا دیا۔ بعض لوگ تو اُسے ما فوق الطبیعت سمجھتے ہوئے منہ پھیر کر چل دیئے۔ بعض نے مزاح اڑایا۔ بعض متردد ہوئے۔

ان حقائق کے بعد ہمیں معراج جسمانی کے ماننے میں کسی دشواری کا سامنا پیش نہیں آتا۔ اور نہ کسی تاویل کی ضرورت رہتی ہے۔ جب یہ تسلیم کر لیا جائے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے جسد مبارک میں روحانی صفات پوری طرح حلول کر چکی تھیں تو ماننا پڑتا ہے۔ کہ مادہ کا حجاب ظاہری آنکھ میں دکھائی دیتا تھا۔ جسم میں مادی خواص نہ تھے اس فرقِ بیّن کو صرف ذہنِ رسا جان سکتا ہے جس میں لطفِ الٰہی سے روحانی صفائی کا کچھ نور موجود ہو۔ صدیقؓ اور ابوجہل کے ذہنوں میں یہ امر مابہ الامتیاز تھا۔ اس لیئے دونوں نے حضور کے دعوے کی الگ الگ تعبیر کی۔

معراج شریف کا تفصیلی واقعہ

احادیثِ صحیحہ سے معراج شریف کا تفصیلی تذکرہ اور اس کا ماحصل جو سیّد حسن رضا نے اپنی کتاب "مظہر الکمالات فی مولد سیّد الکائنات" میں بیان

فرمایا ہے۔ وہاں سے اختصاراً کچھ اپنے لفظوں میں پیش کرتا ہوں۔
یہ صحیح ہے کہ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم بحالتِ بیداری مکہ سے بیت المقدس پھر وہاں سے سماواتِ علیٰ کی طرف اسی حالت میں تشریف لے گئے۔ تمام حجاب برطرف کر دیئے گئے۔ بے حجاب درگاہِ قدس میں حاضر ہوئے۔ چونکہ سرورِ دو عالم شجرِ کائنات کا لذیذ ترین پھل ہیں۔ عالم وجود کے صدف کا دُرِ یکتا ہیں۔ الوہیّت کی حقیقت کا مظہر ہیں۔ اس لیئے اس ثمرِ شیریں اور دُرِ یتیم کا مالک حقیقی اور خالق لاریب کی پاکیزہ درگاہ میں حاضر ہونا ضروری تھا۔
اللہ کریم کی حکمتِ بالغہ اور مشیت رفیعہ و منیعہ نے جب اور جس طرح چاہا اپنے اقرب ترین خدام جبرائیل و میکائیل کو بھیجا۔ وہ آئے۔ حضور خوابیدہ تھے۔ آواز دی۔ کون ہے۔ عرض کی جبرائیل۔ فرمایا امین اللہ کہاں سے آرہے ہو۔ کیونکر آنا ہوا۔ عرض ہوئی۔ اللہ کے محبوب۔ اُٹھو۔ تیار ہو جاؤ۔ بادشاہوں کے بادشاہ ربّ العزّت نے اپنے ازلی ارادہ سے چاہا اور مجھ خادم کو آپ کی خدمت میں بھیجا۔ اے خیر البشر تو روحِ کائنات "محبّت و الفت کا جام مصطفےٰ ہے تو مشیتِ حق کی مراد ہے۔ اور تمام مراد تیرے لیئے ہے۔ ہمہ گلزارِ کائنات تیرے وصال کی خاطر بنایا گیا ہے۔ ساری کائنات تیرے طلعتِ پُرنور سے با سرورِ و فود قائم ہے۔ جملہ کائنات تیری رضا کے لیئے مزیّن کی گئی ہے۔ اس سے تو جو چاہے پائے۔ اس وقت آپ کو بارگاہِ مقدس و منزہ باری تعالیٰ میں باریابی خاص کے لئے بلایا گیا ہے۔
نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے جبرائیل۔ میرا مولا کریم مجھے اپنی بارگاہِ قدس میں اپنے پاس بلاتا تو ہے۔ لیکن وہ حیّ و قیوم قادرِ مطلق مجھ سے کیا سلوک کرے گا۔ جبرائیل نے عرض کی لِيَغْفِرَ لَكَ مَا تَقَدَّمَ وَمَا تَأَخَّرَ۔
محمد صلے اللہ علیہ وسلم جبرائیل سے مخاطب ہوئے فرمایا۔ مولا کریم کے "لا تحصیٰ و لا تعد" الطاف و انعامات پہلے ہی مجھ پر ہیں۔ میرے عیال و آل جو میری اُمّت مرحومہ ہے۔ اس کے لئے کیا کچھ بخشش ہوگی؟

جبرائیل بولا۔ باری تعالےٰ فرماتا ہے۔ وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى: ایسے اور اتنے انعامات ہوں گے کہ تو خود کہے گا بس بس میں راضی ہوگیا۔ حضورؐ نے سر جھکا لیا۔ فرمایا مجھے اب سرور ہوا۔ سُن کر دل مسرور ہوا۔ درگاہ ربّ العزّت میں حاضر ہوتا ہوں۔ انعاماتِ قادرِ مطلق کا امیدوار بندہ درگاہِ ایزدی میں حاضر ہونے کے لئے سروقامت کھڑا ہوگیا۔

جبرائیلؑ نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر چت لٹا دیا۔ میکائیل آبِ زمزم سے بھرا طشت لائے۔ سینہ مبارک چاک کیا۔ قلب دھویا۔ حکمت سے پُر کیا۔ پھر سی دیا۔ ختم نبوّت کی مہر لگائی۔ یہ وہی شرحِ صدر ہے جس کا اللہ تبارک وتعالےٰ نے اپنے بندہ پر انعامات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ۔ یہ وہی شرحِ صدر ہے جس کے لئے موسیٰ علیہ السّلام دُعائیں مانگتے رہے۔ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي" خدایا! میرے سینے کو کھول دے۔ اور میری تمام مشکلات حل کردے۔ بن مانگے موتی ملیں مانگے ملے نہ بھیک۔ یہاں اتنا جان لینا ضروری ہے کہ شرح صدر اور قلب کا آبِ زمزم سے دھویا جانا اور ٹانکے لگا کر سی دیا جانا سادہ ذہنوں کو سمجھانے کے لیئے الفاظ ہیں۔ جن کا اپنے ظاہر کے ساتھ کچھ بھی تعلق نہیں۔ اور نہ یہ طب جدید کے اپریشن کے کسی قسم کا تعلق رکھتے ہیں۔ اس کی لِمَ پر غور وخوض کئے بغیر ہی ماننا ایمان ہے۔ اور نہ یہاں قلب سے مراد وہ صنوبری لحمی لوتھڑا ہے جو حجاب کے اندر آدمی کی بائیں جانب معلق ہوتا ہے چونکہ یہ لحمی لوتھڑا تو ہر حیوان میں بھی پایا جاتا ہے اور اس کی حرکت سے حیاتِ حیوانی وابستہ ہے۔ اصطلاحِ شریعت میں شق صدر یا شرحِ صدر اپنے اندر کچھ ایسے معانی لئے ہے۔ کہ ان کا ادراک ہر ذہن میں آ نہیں سکتا۔ بلکہ اس حقیقت کے سمجھنے کے لئے اس نور کی ضرورت ہے۔ جو واہب العطایا کے الطاف سے خاص عطیہ ہوتا ہے۔ اسی کی طرف مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ میں ایک لطیف اشارہ ہے۔

ہمیں روایاتِ صحیحہ سے ماننا پڑتا ہے کہ ملائکہ خاص نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا دو دفعہ شق صدر کیا اور قلب صاف کیا۔ دھویا اور سیا۔ ایک بچپن میں دوسرے معراج پر جانے کے وقت۔ رہا کم۔ کیف اور لِمَ وغیرہ کا سوال۔ اس کی تفصیل کا علم نہ ہونا اصل کے ماننے میں حارج نہیں ہوتا۔ ہُوا جس طرح ہُوا۔

جبرائیلؑ نے عرض کی۔ اے محبوبِ کبریا۔ میں زین لگام لگائے براق لئے حاضر ہُوا ہوں مجازی بادشاہوں کا بھی یہی دستور ہے۔ کہ جب کسی دوست کی طلب ملاقات کے لئے مقصود ہو اس کے آرام کے لیئے پورے سامان مہیّا کئے جاتے ہیں۔ اے محبوبِ خدا! مالکِ حقیقی نے تجھ ایسے کامل عبودیت دوست کے لئے بھی ہر قسم کی آسائش کا سامان تیار فرما دیا ہے۔

محمد صلے اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے۔ جبرائیل دائیں پہلو ہو لئے۔ میکائیل بائیں جانب ہمرکاب تھے۔ اثنارِ سفر میں عجیب وغریب ہنسانے رُلانے والے واقعات دیکھے۔ عاصی اور نافرمان لوگ قسم قسم کے عذابوں میں گرفتار پائے۔ فرمانبردار انعامات سے بہرہ در ہو رہے تھے۔ دجّال دیکھا۔ دُنیا کو ذلیل بُڑھیا کے لباس میں دیکھا۔ اس نے مہلت کا سوال کیا۔ اسے مہلت نہ ملی۔ وُہ پاک ہاشمی جوہر اس استغنار سے آگے بڑھتا گیا کہ کوئی چیز بھی اسے اپنی جانب راغب و مائل نہ کر سکی۔

پہلا قیام بیت الحرام سے چل کر بیت المقدس میں ہُوا۔ وہاں تمام انبیار انتظار میں تھے۔ آپ کی تشریف آوری کا اعلان پہلے ہی تھا۔ اقامت ہوئی۔ جبرائیل امین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو امامت کے لئے آگے بڑھایا۔ سب انبیار و مرسلین نے اقتدار کی۔ جب نماز ہو چکی۔ خطبہ میں انعاماتِ الٰہی کا واضح طور ذکر فرمایا۔ حضورؐ یوں گویا ہوئے:۔ اس پروردگارِ عزّت کا ہزار در ہزار شکر اور حمد بے قیاس ہے۔ جس نے مجھے رحمۃٌ للعالمین بنا کر بھیجا۔ اس منصبِ عظیم کے لئے مجھے خصوصیّت بخشی۔ تمام کائنات کے لیئے بشیر ونذیر بنایا ہے۔ میں کافۃ الناس کے لئے اللہ کی نعمت اور رحمت ہوں۔ مجھے رؤف و رحیم کا لقب عطا فرمایا۔ مجھے

اپنی مقدس کتاب فرقانِ حمید بخشی۔ جو ہدایت دینِ متین اور انسانیت کی تعلیم میں تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ ہے اسی مقدس کتاب میں مجھے اُمّی کہا۔ میری امت کو خَیْرَ اُمَّۃٍ اور اُمَّۃً وَّسَطًا فرمایا۔ شرح صدر کیا۔ تمام بوجھ مجھ سے اُتار دیئے۔ میرے ذکر کو عالمِ زیر و بالا میں عام تام اور بلند کیا۔ وہ اسرارِ خفیہ اور بدیہیہ کا جاننے والا ہے۔ میں فاتح عالم اور خاتم نبوّت ہوں۔ کائنات میں سب سے پہلا وجود میرا ہے۔ ایسے ہی آخری نبی بھی میں ہی ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اپنے احسان عام کئے ہیں۔

پھر وہاں سے بالمدارج ساتوں آسمان طے کئے۔ جبرائیل ہمراہ رہے۔ ربّ العُلیٰ کی تمام عمومی وخصوصی آیات کا مشاہدہ کیا۔ ہر مقام پر ملائکہ اور انبیاء نے استقبال کیا۔ ہر ایک نے بشارت ومبارک باد دی کہ آپ ربّ تعالیٰ جل شانہٗ کے برگزیدہ وپسندیدہ رسول ہیں۔ نبی اور فرشتے آپ کو السّلام علیکم کہتے ہیں۔ وقار اور عزّت سے پیش آتے ہیں۔ عظمت مانتے ہیں تعظیم وتکریم کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلّم بیت المعمور میں داخل ہوئے۔ بیت المعمور سماواتِ عُلیا کا کعبہ اور مقامِ حج ہے جہاں ہر روز ستّر ہزار ملائکہ حاضر و داخل ہوتے ہیں وہیں آپؐ نے اپنے جدِّ اعلیٰ ابراہیم خلیل اللہ کو تکیہ لگائے بیٹھے دیکھا۔ السّلام علیکم کہا۔ جدّ امجد نے بھی اس فضیلت پر مبارک باد دی۔ اور فرمایا۔ اے محمّد تجھ پر اللہ کریم کے وہ انعامات ہیں۔ جو تجھ سے پہلے کسی کو عطا نہیں ہوئے۔ اور نہ آپؐ کے بعد یہ انعامات کسی کو مل سکیں گے۔ یہ مرتبہ آپؐ ہی کے لئے تھا۔ آپؐ ہی پر ختم ہوگیا۔ یا نبی اللہ آج رات تجھے بارگاہِ ایزدی میں حاضر ہونا ہے۔ ذاتِ سبحانہٗ تعالےٰ سے ملاقات اور اس کے انوار وتجلّیات کا شاہد ہونا ہے۔ تیری امت سب اُمتوں سے آخری اور بلحاظ اعمال ضعیف ترین ہے۔ حتی الامکان امت بخشوانے کی کوشش کرنا۔ واپسی پر اپنی اُمّت کو میرا اسلام کہہ دینا کرامت اور رفعت مدارج کی بشارت دینا انہیں فرمانا کہ جنّت ایک خوش وضع گلزار اور

سبزہ زار ہے۔ اس میں سُبْحٰنَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ بلند و بالا تناور درخت ہیں۔ جن کا سایہ عبادت کا پھل ہے۔

آپؐ کے سامنے جنت اور دوزخ لائے گئے۔ آپؐ جنت میں تشریف لے گئے۔ حورالعین۔ نونہال غلام خدام کے علاوہ وہ تمام اشیاء پیش ہوئیں۔ جن کا اللہ کریم نے اپنے فرمانبردار بندوں سے وعدہ فرمایا ہے۔ پھر سدرۃ المنتہیٰ عرش کرسی کی سیر کرتے ہوئے اس مقام محمود تک پہنچے۔ جہاں قضا و قدر کے نویسندہ ملائکہ کے قلموں کی آواز سنائی دیتی تھی۔

یہاں پر جبرائیل کا قدم رُک گیا۔ حضرت نے فرمایا۔ کیا یہ مناسب ہے کہ ایسے کٹھن مقامات پر دوست دوستوں کا ساتھ چھوڑ دیں۔ جبرائیلؑ نے عرض کی۔ میرے آقا! یہ وہ مقام ہے کہ یہاں سے بال بھر آگے بڑھوں تو نورِ تجلی سے میرے بال و پر جل جائیں۔ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:۔

بدو گفت سالار بیت الحرام — کہ اے حامل وحی برتر خرام
چو در دوستی مخلصم یافتی — عنانم ز صحبت چرا تافتی
بگفتا فراتر مجالم نماند — بماندم کہ نیروے بالم نماند
اگر یک سر موئے بالا پرم — فروغ تجلی بسوزد پرم

سرور کائناتؐ:۔ جبرائیل اگر بارگاہِ باری تعالیٰ میں کوئی طلب حاجت ہو تو کہو میں تیری درخواست بارگاہِ قدس میں پیش کر دوں گا۔

جبرائیلؑ۔ ہاں ہاں میرے آقا اور خدا کے محبوب محمد صلعم جب بارگاہِ قدس میں باریابی ہو تو اجازت مانگ لینا کہ یومِ حساب کو میں اپنے بازو پل صراط پر بچھا دوں اور تیری امت ان پر سے آسانی کے ساتھ دوڑتی ہوئی دارالسلام میں داخل ہو جائے۔

محمد صلے اللہ علیہ وسلم اب بحرِ نور میں غوطہ لگا تیرنے لگے۔ انوارِ جلالیت قدس

کا لباس زیب تن ہے۔ بارگاہِ مقدس کی طرف قدم بڑھ رہے ہیں وحشت تنہائی دُور کرنے کے لئے موانست کی خاطر صدیق اکبر کے لہجے میں ندا دہندہ نے ندا دی۔ خوف وہراس نہ رہا ذہن اس سوچ بچار میں لگ گیا کہ صدیق دوست یہاں کہاں خدا جانے یہ کون پکار رہا ہے۔

جب ایزدمتعال نے براق شوق پر سوار کرکے ذاتِ قدس میں قرب کا مقام بخشا۔ اور کمالِ محبت سے اقرب ترین حدود میں داخل فرمایا۔ اس وقت بصیرت اور بصارت کا نیا نور عطا ہوا۔ جس نور کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ قدیمہ کا جمال آنکھوں کے سامنے آگیا۔ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ قدیمہ کا جمال آنکھوں کے سامنے آ گیا۔ اللہ تعالیٰ کی قدیم صفت کلام کے سماع کی قدرت حضورؐ کو عطا ہوئی۔ تمام حجاب اُٹھ گئے۔ درگاہِ قدس میں دیکھا جو کچھ بھی دیکھا۔ جس آنکھ سے دیکھا۔ اُسے کمؔ وکیف کی صفات سے باہر پایا۔ حصر و قصر اور حدّ و حیطہ سے بالاتر دیکھا۔ علم کا ادراک بھی اسے نہیں جان سکتا۔

اللہ نے لطف وکرم سے خطاب فرمایا۔ مگر جواب میں گویائی مرعوب و مدہوش رہ کر ساکت وخاموش تھی۔ الطاف واحسان کی توجہ اور زیادہ ہوئی۔ روحِ کائنات عبودیت کی زبان حال سے یوں گویا ہوئے۔

محمدؐ صلعم :- اَلتَّحِیَّاتُ الْمُبَارَکَاتُ الصَّلَوٰاتُ الطَّیِّبَاتُ لِلّٰہِ ۔

اللہ :- اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَتِیْ وَبَرَکَاتِیْ وَالصَّلٰوۃُ عَلَیْکَ مِنِّیْ وَمِنْ مَلٰٓئِکَۃِ الرُّوْحَانِیَّۃِ ۔

محمدؐ صلعم - اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ اَلتَّقَاۃَ ۔

پھر عرض کی یا باری تعالیٰ! اس درگاہِ مقدس میں پہنچنے سے ذرا پہلے راستہ میں مجھ پر جب تھوڑی سی وحشت طاری ہوئی ایک ایسی آواز نے میرے کانوں میں موانست کی لہر پیدا کی جو ہو بہو میرے رفیقِ غار مخلص یار صدیق اکبر کی آواز کے مانند تھی۔ وہ آواز یہ تھی۔ ذرا ٹھہر جائیو۔ ربّ العزّت صلوٰۃ میں

مشغول ہیں۔ مجھے ندا کی غرض اس کی حقیقت اور مولا پاک کے مشغولِ صلوٰۃ کے معمہ نے تعجب وحیرت میں ڈال رکھا ہے۔ میرے مولا! تو ان صفات سے پاک ہے مستغنی ہے۔ مجھے بتا دیں کہ یہ ندا کنندہ کون تھا۔ کیا آواز تھی۔ صلوٰۃ کیسی اور آپ ربّ العزّت کا اس میں مشغول ہونا سے کیا مراد ہے۔

اللہ ۔ میرے محبوب۔ بے شک میں صلوٰۃ سے مستغنی ہوں۔ میں یہ کہتا ہوں۔ سُبْحَانِی سُبْحَانِی سَبَقَتْ رَحْمَتِی غَضَبِی ۔ میں پاک ہوں۔ میں پاک ہوں۔ میری رحمت میرے غصّہ اور غضب کو ڈھانپ لیتی ہے۔

آواز دینے والا ایک خاص فرشتہ تھا جس کی آواز کو آپ کے یارِ غار اور مصاحبِ جنّت صدّیق کی آواز سے مشابہ بنایا گیا ہے۔ تاکہ میرے جلالِ عظیم کی ہیبت تم پر طاری ہو کر میری محبّت صحیح کا مقصد فوت نہ کر دے۔

اے محمد صلعم ذرا اور قریب ہو جاؤ۔ تاکہ دَنٰی فَتَدَلّٰی قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی کا مفہوم بھی پورا ہو جائے۔ اے دوست! ہر کوئی کسی نہ کسی چیز کا چاہنے والا ہوتا ہے۔ عالمِ وجود میں میری مراد تُو ہے۔ ہر ایک کسی نہ کسی چیز کا طالب ہوتا ہے۔ میرا مطلوب تُو ہے۔ تجھے کیا معلوم تیرے لئے میرے پاس کیا تحفہ ہے۔ تیرے لئے میرے پاس "مَا تُحِبُّہٗ وَمَا تَھْوٰی" جو کچھ تو پسند کرے اور جو چاہے سب تیرے لئے ہے۔ اب سب حجاب دُور کر دیئے گئے ہیں یہ میرا جلال اور جمال ہے۔ اس سے مستفید و مستفیض ہو لے۔

اے میرے لیئے تمام کائنات سے عزیز ترین محمدؐ لوائے حمد تیرے ہی لیئے ہے۔ مقامِ محمود تیرا مقام ہے تو میری آیتِ رحمت ہے۔ قیامت کے روز تو شفاعت کا مختار ہے۔ میں نے تجھے کافۃ الخلق کے لیئے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا۔ خالق میں اکیلا ہوں۔ مخلوق میں تُو واحد اور بے مثل ہے۔ میں نے تجھے بہشت اور مافیہا بھی دکھا دیئے۔ اس میں فرمانبرداروں کے آرام و راحت کے جو سامان موجود ہیں وہ بھی سب دکھا دیئے۔ دوزخ جو باغیوں اور سرکشوں کا ٹھکانہ

ہے۔ تُو نے وُہ بھی دیکھا۔ اُس کے طرح طرح کے عذابوں کا نظارہ بھی کر لیا۔ میرا جمال بھی دیکھا جو ہر نقص و عیب سے پاک ہے۔ میرے جلال و جمال سے تو آگاہ ہوا۔ تو نے جان لیا میں کسی مشیر و وزیر کا محتاج نہیں مجھے اولاد و ازدواج کی ضرورت نہیں۔ ہر نظیر و شبیہہ ہر مثال اور ند سے فارغ و غنی ہوں۔

جب مولائے کریم کی زبان سے یہ سُنا تو محمد صلعم سجدہ میں گر گئے۔ خلوت کے راز و اسرار ہوئے۔ جو کچھ بھی ہوئے۔ راز و نیاز کے وہ مکالمے ہوئے جن کو اللہ اور اس کا بندہ محمدؐ ہی جانتا اور سمجھتا ہے "کراماً کاتبین را وخبر نیست والا معاملہ ہے۔ یہ خلوت نہ پہلے کسی سے ہوئی اور نہ پھر ہو گی۔ بلکہ کسی نبی اور رسُول کو ان اسرار خفیہ کا علم کبھی نہیں ہوا۔ نماز کی فرضیت کا حکم دیا گیا۔ ہر تحیۃ میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر بھی سلام و درود کا تحفہ بھیجنا لازم ہوا۔ اور وُہ سب کچھ ہوا جو بائستنی تھا۔ سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم نے عرض کی۔ مولائے کریم تیرا بندہ محمدؐ جو کچھ عرض کرنا چاہتا ہے تو اسے اس کے کہنے سے پہلے جانتا ہے۔ مجھے جبرائیل کا پیغام پہنچانا ہے۔ ذات قدس صفات نے فرمایا۔ ہاں ہاں جبرائیل کی درخواست منظور ہے۔ لیکن صرف اس شخص کے حق میں جس نے تجھے دوست بنایا۔ تیرا صدق دل سے پیرو ہوا۔ تیرے دوستوں سے دوستی گانٹھی۔ تیرے دشمنوں سے نفرت کی۔ لیکن جس نے یہ سمجھ رکھا کہ جو فسق و فجور چاہوں کروں جنت میری میراث ہے۔ وُہ غلط سمجھا۔ اور جس نے یہ بھی سمجھا کہ بدترین ذنوب اور ناقابلِ تلافی عیوب کے بعد کسی رحمت اور بخشش کا سزاوار نہیں اس نے بھی لغزش کھائی۔ اور میرے فرمان "لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ" پر ایمان نہ لایا۔

حضور نے عرش کا دامن تھاما۔ عرش نے زبانِ حال سے کہا۔ یا محمدؐ تجھے کیا پاکیزہ وقت نصیب ہوا۔ مقاصد میں کامیابی ہوئی۔ وُہ جمال دیکھا جو ادراکِ عقول سے باہر اور تعریف و توصیف سے بالاتر ہے۔ آپ پر معنئے اَزلیہ کا راز روشن ہوا۔ وَلَہُ الْاَمْرُ کا بھید منکشف ہوا۔ میں ان اسرار و راز ہائے

سربستہ سے آگاہی کے لئے یوم وجود سے جتنا پیاسا ہوں۔ اتنا ہی دُور ہوں۔
میں صفات ربانیہ میں حیران ہوں۔

نہیں جانتا کہ کس طرح ان کو پاؤں اور نہ ان کے حصول کی طاقت ہے۔
اگرچہ مجھے اللہ پاک نے اپنی تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ جسامت دی۔
ہیبت باہرہ اور خوف عظیم بخشا۔ لیکن میں جب عالم وجود میں آیا۔ تو اللہ پاک
کے ہیبت جلال اور صفات جلالیہ سے مجھ میں لرزہ پڑ گیا۔ میں کانپنے لگا۔ میرے
پایوں پر "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" لکھ دیا۔ ان کلمات کی ہیبت سے لرزہ اور خوف اور
زیادہ ہوا۔ پھر اسی کے ساتھ "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" ضم کر دیا۔ میرا اضطراب اور قلق
ختم گیا۔ خوف وہراس دُور ہوا۔ گویا آپؐ کا مبارک نام میرے قلب کے لئے اطمینان
اور راحت کا ٹیکہ تھا۔ اے محمدؐ! تو رحمۃ للعالمین ہے۔ عالم علوی وسفلی سب
کے لئے رحمت ہے۔ اور میں بھی افراد عالم کا ایک فرد ہوں۔ آپؐ میرے لئے بھی رحمت
ثابت ہوئے۔ اے رحمۃ للعالمین میں ان حقیقت سے بے خبر چاہِ ضلالت میں گم گشتگان
سے بیزار ہوں جو یہ خیال کرتے ہیں کہ میں اس ذات قدس رب العزت کا حامل
ہوں جس کا نام اللہ ہے۔ نہ اس کی حد ہے نہ اس کی صفات حیطہ حد و احصاء میں
محاط ہیں۔ ایسی ذات قدس صفات کا میں کیونکر حامل ہو سکتا ہوں۔ میں ان سے
بھی پناہ چاہتا ہوں۔ اور بیزار ہوں۔ جو میری وسعت کو حد تخیل سے باہر خیال
کرتے ہیں۔ میں تو اس ذاتِ قدس کی قدرت کا محیط ہوں۔ جو ذات این اور
کیفت سے بالا ہے۔ رحمٰن اس کی صفت ہے۔ استوا بھی اس کی صفت قدیمہ
ازلیہ ہے میرے وجود سے پہلے بھی ازلی ابدی تھا۔ وُہ منزہ اوصاف اور مقدس اسماء
کا مالک ہے۔ میں بعبارت وصل اس ذات سے قریب نہیں اور بمفہوم فصل بعید
نہیں۔ اس کی حکمت بالغہ کا معمول ہوں۔ اس ذات کے لئے بیقرار اور اس کا
محتاج ہوں۔ اس کی قضا کا مقہور اور اس کے امر کا مجبور ہوں۔ مجھے اس کے اٹھانے
کی طاقت کہاں بلکہ خود میں اس کی قوت قیومیہ اور شان ایجادیہ سے موجود و محمول

ہوں۔

سرورِ دو عالم عرش سے مخاطب ہوئے۔ فرمایا۔ میں یہاں سے رُخصت ہوتا ہوں۔ اب وہاں سے واپسی ہوئی۔ چھٹے آسمان پر مراجعت فرمائی۔ کلیم اللہ موسیٰ علیہ السلام نے پُوچھا۔ اللہ نے کیا کیا فرض کیا۔ آپؐ کے لیئے کتنی اور امتِ مرحومہ کے لیئے کتنی نمازیں فرض ہوئیں۔ فرمایا شبانہ روز پچاس رکعت نماز ادا کرنے کا حکم ہؤا ہے موسیٰ علیہ السلام فرمانے لگے۔ امّت کمزور ہے۔ بوجھ وزنی ہے۔ برداشت کی طاقت کہاں۔ واپس تشریف لے جایئے۔ درگاہِ عزّت میں تخفیف کی عرض گذاریں حضورؐ واپس گئے۔ سر سجدہ میں رکھ کر نماز میں تخفیف کی درخواست کی۔ پانچ نماز کی تخفیف ہوئی۔ پھر موسیٰ علیہ السلام نے کہا یہ بھی بہت زیادہ ہیں۔ پھر جائیں۔ دوبارہ صاحب تجلّیات سبّوحیہ کی درگاہ قدسیہ میں حاضر ہوئے۔ پھر پانچ کی کمی ہوئی۔ یہ سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ پانچ کی گنتی باقی رہ گئی۔ اور ربّ العزّت کے لطف وکرم کا یہ انعام ملا؛ اے محبُوب تیری امّت کا جو نیک بخت بندہ یہ پانچ نمازیں پُوری توجہ اور حفاظت سے پڑھے گا پچاس کا اجر پائے گا۔ میں نے محنت اور مشقت میں کمی تو کردی۔ اُجرت میں کمی کرنا میری شان کے خلاف ہے۔ ثواب کے متعلق میری مشیت ازلی میں جو فیصلہ طے پا چکا ہے؛ وہی پُورا کیا جائے گا۔ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلَہٗ عَشْرَ اَمْثَالِھَا میں یہی فلسفہ مضمر ہے۔

اب سرورِ کائنات نے پھر واپسی کے وقت بیت المقدس میں نزولِ اجلال فرمایا۔ براق پر سوار بیت اللہ الحرام کا راستہ لیا۔ قریش مکہ کا ایک قافلہ دکھائی سے السلام علیکم کیا۔ بعض نے یہ بھی کہا یہ محمّد کی آواز ہے لیکن آپؐ برق رفتار براق پر پاس سے گذر گئے۔ اسی رات صبح سے پہلے مکہ میں پہنچ گئے۔ سویرے قوم سے ذکر ہؤا۔ جو سیر کی تھی جو کچھ بھی دیکھا تھا حرف بحرف کہہ سنایا۔ بعض نے تصدیق کی۔ جو فطرتی شقی تھے وہ نہ مانے۔ بعض نے بیت المقدس کے جو جو نشانات اور مقامات پوچھے۔ ذرا ذرا بتا دیئے۔ مروی ہے کہ آپ مقام ابراہیم پر علیحدہ کھڑے

ہوگئے۔ آنکھوں سے مادی حجاب اُٹھ گیا۔ بیت المقدس نظر کے سامنے ہوگیا۔ ہر چیز صاف و روشن نظر کے سامنے دکھائی دینے لگی۔ لوگ پوچھتے جاتے ہیں۔ اور آپ بتاتے جاتے ہیں۔ راستہ میں آنے والے قافلہ کی خبر بھی قافلہ کے پہنچنے سے پہلے سُنادی کہ فلاں تاریخ فلاں وقت تمہارا قافلہ فلاں جگہ میں نے دیکھا۔ فلاں تاریخ یہاں پہنچے گا۔ فلاں فلاں اُونٹ آگے تھے فلاں پیچھے۔ جب قافلہ آیا جس طرح محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ قافلہ والوں نے اس کی تصدیق کی۔ یہ بھی روایات میں آیا ہے کہ جس وقت واقعہ اسریٰ میں صرف ہوا حرکت زمانی بند رہی۔ سُورج جہاں تھا وہیں رُک گیا اس لئے اتنی سیر میں ایک لمحہ بھی صرف نہ ہوا۔ یہ بھی قانونِ ارادی کی ایک مثال ہے۔

بعد از معراج

واقعہ معراج کے بعد کفار ناہنجار کی ایذا رسانی اور تیز تر ہوئی۔ چونکہ مخلص شفیق عم جمیل ابوطالب کا ظل ظلیل جو اشقیاء کے لئے سدِ سکندری کا حکم رکھتا تھا۔ اُٹھ چکا تھا۔ مشرکین مکہ کے لئے ابوطالب ایک دبیز حجاب تھے۔ اس کے اُٹھتے ہی بد باطن ہر ناجائز حربہ استعمال میں لانے لگے۔ شر و مکائد کے جتنے تیر بھی ترکش میں پائے سب چلائے لیکن نومسلموں کے پائے عزم و ثبات ذرہ بھر بھی نہ ڈگمگائے۔ جوں جوں ایذا بڑھتی گئی ایمان محکم ہوتا گیا۔" یہ وہ نشہ نہیں جسے ترشی اتار دے"

اب باقی ماندہ مسلمان یہ سوچنے لگے کہ آیا فقط ہم اہل و عیال اور وطن چھوڑ چھاڑ ان بھائیوں کے ساتھ جو حبشہ کو ہجرت کر گئے تھے جا ملیں۔ یا محمد صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم بھی عرب کی سکونت ترک کر کے عجمی باشندوں میں کہیں تبلیغ شروع کریں۔ پھر خیال ہوتا کہ یہ امر تو سنت الٰہیہ کے خلاف ہے۔" مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِہٖ" کا فلسفہ یہ بتاتا ہے کہ رسول کو مرسل الیہ قوم

کی زبان میں وحی اس لیئے بھیجی جاتی ہے۔ کہ قوم مادری زبان کے نکات سے خوب آگاہ ہوتی ہے۔ اس کے رموز و غوامض وہ خوب سمجھ سکتے ہیں۔ قرآن کا جمال اور سحر بیانی جو عرب سمجھ سکتا ہے۔ غیر عرب اس حقیقت کو نہیں جان سکتا۔ اور یہ پہلی بدعت ہوگی۔ کہ لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دینے میں اجنبی زبان پیش کی جائے۔ حالانکہ آج سے پہلے رسالت الٰہیہ کے قانون میں ایسا کبھی نہیں ہوا۔

یہ تفکرات بھی پیش نظر تھے۔ کہ وہ عرب جن سے تمدن زبان۔ روابط حسبؒ نسب مشترک ہیں۔ بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے حسین حسبًا۔ نسبًا۔ امانتًا دیانتًا۔ قولاً فعلاً ممتاز مانتے ہیں۔ اخلاق میں شرافت میں افضل ترین جانتے ہیں وہ پھر بھی ہدایت سے روگردانی کر رہے ہیں۔ اور وہ عجمی جن سے نہ تمدن کی وحدت ہے نہ ہماری اُن کی زبان ایک ہے۔ نہ وہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے حسب و نسب سے واقف ہیں وہ کیونکر تبلیغ قبول کریں گے۔

بعیت جان سپاری

اسی تردد و فکر میں تھے کہ موسم حج آگیا۔ دُور دُور سے قبائل فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے آئے۔ یثرب کے لوگ بھی آئے۔ یہ لوگ سب سے زیادہ سلجھی ہوئی طبیعت رکھتے تھے۔ جب ان میں تبلیغ ہوئی چھ آدمی فوراً ایمان لائے۔ ان ہی خوش مزہ گٹھلیوں سے انصار کا فرح فزا باغ لہلہایا۔ اور پھلا پھولا۔

یہ لوگ جب واپس وطن پہنچے اپنے اہل و عیال اور اپنی قوم میں آخری نبی کے مبعوث ہونے کی بشارت سنائی لوگوں میں اشتیاق دید بڑھا۔ آئندہ دو سالہ آمدرفت میں مؤمنین و مومنات یثرب کی گنتی اسی سے بھی تجاوز کر گئی۔ ان سب نے ایمان لانے کے بعد محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے جان نثاری پر بیعت کی۔ شرائطِ بیعت یہ تھے۔ جو چیز آپ پسند فرمادیں گے۔ ہمیں پسند ہوگی بلکہ ہماری رضا اور پسند کے سامنے باقی نہیں رہے گی۔ ہم خود کیا ہمارے اہل و عیال

اولاد و اسباط ازواج و بنات جہاں حضور کے پاؤں ہوں گے وہاں اپنے سر اور آنکھیں بچھا دیں گے۔ بدنہاد دشمن ہمیں اور ہماری اولاد و عیال کو کچل کر ہی آپ کی اور آپ کے رفقاء کی طرف نظر اُٹھانے کی جرأت کرے گا۔

ہاں۔ شرط نہیں عرض ہے۔ ہماری بھی ایک درخواست ہے۔ وہ آپ بھی قبول فرمالیں۔ فرمایا۔ ہاں کہو تو۔ ضرور منظور ہوگی۔ یثربی خادموں نے کہا۔ آقا۔ عرض یہ ہے۔ کہ اس نور قدس کی ضیا پاشی کا مرکز ہمارا وطن یثرب ہونا چاہیئے۔ آپ وہاں تشریف لے چلیں۔ تاکہ آپ کے رخسارِ شمع افروز پر مدنی پروانے جان قربان کر سکیں۔ مدینہ آپ کی جائے سکونت ہو۔ حضورؐ نے فرمایا۔ ہاں ہاں مدینہ ہی میرا مقام و جائے قیام ہوگا۔ آپ ہوں گے اور میں ہوں گا۔ میرے رفیق مدینہ کو آباد کریں گے۔

توثیق میثاق

چند دور اندیش مخلص مدنی تکمیل معاہدہ کے بعد دست بستہ کھڑے ہو گئے۔ عرض کی۔ اے حبیب خدا۔ یثرب میں ہمارے تمام لوگوں کے ساتھ اباً بعد جداً قدیم سے تعلقات قائم ہیں۔ مدینہ کے یہود اور مشرکین کے ساتھ ہمارے معاہدے تمدن اور وسائط وابستہ ہیں۔ آپ سے رابطہ اور معاہدہ کے بعد ان سے ہر قسم کے روابط اور تعلقات کے کٹنے و انقطاع کا صرف امکان ہی نہیں بلکہ باہمی تنافرد اعراض یقینی اور لازمی ہے۔

سنت اللہ یہ ہے۔ کہ اللہ کے رسول ہر زمانہ میں ہر غالب پر غالب آئے۔ "الاسلام یعلوا ولا یُعلیٰ" آپ اللہ کے سچے رسول ہیں ضرور آپ بھی کامران و کامیاب ہوں گے۔ لہذا کیا اجازت ہے کہ ہم ابھی عرض کر دیں جب ان لوگوں سے ہمارے تعلقات ٹوٹ جائیں۔ اور آپ کو غلبہ حاصل ہو۔ اعدا مغلوب و مقہور ہو کر خیر الدنیا والآخرۃ ہو جائیں تو آپ ہمیں داغ مفارقت سے رنجور کر کے

دوبارہ اپنا وطن مکہ تو نہ بنائیں گے۔
حضور سرورِ کائنات نے فرمایا۔ لا وکلاّ۔ ہرگز نہیں تمہاری زندگی میری زندگی ہوگی۔ تمہاری میری حیات ممات مشترک۔ تم میرے میں تمہارا۔ جن سے تمہاری لڑائی میں ان کا دشمن۔ جو تمہارے دوست وہ میرے دوست۔ رہنا سہنا بیٹھنا اُٹھنا تمہارا میرا ایک ہوگا۔ اس فیصلہ کے بعد نقیب مقرر ہوئے اور رفقاء و صحابہ کو ہجرت مدینہ کا حکم ہوا۔

مشاورت قریش

اہل مدینہ کی خبروں سے قریش مکہ کو علم ہوگیا کہ مسلمان اپنی جا پناہ مدینہ بنا چکے ہیں بہت جلد چلے جائیں گے۔ جب ایسا ہوا محمد صلے اللہ علیہ وسلم بھی ضرور اپنے احباب سے جا ملیں گے۔ یہ شخص عزم صمیم کا مالک ہے۔ اس کے صحابہ اس کے نام پر بک چکے ہیں، وہ لوگ اللہ کی رضا میں اپنی جانیں بیچ چکے ہیں۔ ان کا اتحاد۔ جذبۂ ایثار۔ خلوص اور خود اعتمادی بھاری قوتیں ہیں۔ ان کی یہ اجتماعی طاقت مدینہ میں جا کر مکہ اور اہل مکہ کی شامی تجارت کے لئے خطرۂ عظیم ثابت ہوگی۔ ہماری آج کی تھوڑی غفلت سے اس مہلک ناسور کا علاج پھر ناممکن ہو جائے گا۔

یہ کیونکر ناممکن تھا کہ قریش ان واضح حقائق کو جانتے مانتے ہوئے ہاتھ پر ہاتھ دھرے چپ چاپ بیٹھے رہتے۔ معاشی مضار و مفاسد آنکھوں کے سامنے پھر رہے ہوں اور خون حرکت نہ کرے۔ زندگی تاریکیوں میں پڑتی نظر آ رہی ہو۔ نفوس میں جذبہ پیدا نہ ہو۔ جذبات بھڑک اُٹھے۔ خون جوش مارنے لگا۔ دار الندوہ میں مجلس مشاورت بلائی گئی۔ یہ فیصلہ ہوا کہ ہر قبیلہ اپنا ایک ایک نوجوان پیش کرے۔ تمام قبائل کے جوان اجتماعی صورت میں دفعۃً واحدۃً محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر حملہ آور ہوں۔ خاکم بدہن محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیں۔ بنو عبد مناف تمام قریش

کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ جنگ نہ ہو سکے گی۔ قصاص جملہ قبائل میں تقسیم ہو جائے گا۔ دیت سب قبائل مل کر ادا کر دیں گے۔ فتنہ مٹ جائے گا۔

رائے عامہ

اس وقت کے اسلام اور کفر کی کش مکش یا محمد صلے اللہ علیہ وسلم اور کفار ناہنجار کا اختلاف اس حد تک پہنچ چکا ہے۔ کہ عوام کے خیال میں رسول قتل ہو جائے گا۔ اور اسلام زیر زمین اور دعوت اسلام پیوندِ قبر ہو جائے گی۔ یا کفر و شرک مغلوب و مقہور ہو کر جزیرۃ العرب سے ہجرت کر جائے گا۔ یا کوئی ایسی نئی صورت رُونما ہو گی کہ نظام عالم ہی بدل جائے۔ لوگ کہتے بہر حال فیصلہ کن وقت آ گیا ہے۔ اور یہ ایسی آہن فیصل ہے کہ قوائے ظاہری میں مکافات کی برداشت بھی نہیں اور نہ ہی بالمواجہ دشمن دشمن سے لڑ سکتا ہے۔ خدعہ و غدر یقینی ہے۔ اسباب ظاہری کو دیکھیں۔ واقعات اور سنن امکانی پر نظر ڈالیں۔ تو قریش یقین کر چکے ہیں۔ کہ ساعات نہیں لمحات کا وقفہ باقی رہ گیا ہے۔ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قتل ہوا چاہتے ہیں۔
ادھر محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہیں کہ اپنے رفقاء میں اطمینان سے نور قلب سے، قوۃ دل سے حزم و عزم اور اعتماد صمیم سے صحابہ کو کہنے میں مشغول ہیں۔ دوستو! اب معاملہ پورے گرداب میں پڑ چکا ہے۔ تمام حیلے اور اسباب منقطع ہوئے جو طرق و وسائل مادیات اور انسانی حِیَل و اسباب سے متعلق تھے سب مسدود ہو چکے۔ معجزہ کے ظہور کا یہی وقت ہے۔ میرا رب اب معجزہ سے میری مدد کرے گا۔ اللہ کی نصرت کا وقت قریب آ گیا ہے۔ دیکھو پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔

ہجرت

جبرائیل فرشتہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ قرار پایا۔ بستر خواب پر حضرت علیؓ سو جائیں۔ تاکہ محافظین باب کی نظریں ادھر لگی رہیں۔

آپ ان کے سامنے سے گذر جائیں۔ اور وُہ دیکھ بھی نہ سکیں۔ نورِ حقیقت کو مادی آنکھ کے دیکھنے میں کہاں توانائی ہو سکتی ہے۔ آپ گھر سے نکلے۔ قرآن کی آیات پڑھ کر کنکریاں پھونک ان کے منہ پر ماریں:۔ جَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ۔ ان کے آگے پیچھے ہم نے دیوار کھڑی کر دی۔ ان پر غشی طاری کر دی وُہ دیکھ نہیں سکتے:۔ دروازہ پر تقریباً یکصد آدمی منتظر تھے۔ کسی نے بھی نہ دیکھا محمد صلے اللہ علیہ وسلم نکل گئے اور کسی کو علم تک بھی نہ ہؤا۔ وقت گذر جانے کے بعد حضرت علیؓ جب اندر سے نکلے تب قریش نے جانا کہ وہ شہباز جس کی انتظار میں ہم تمام شب بیداری میں کاٹتے رہے۔ وُہ پرواز کر چکا ہے۔ وہاں سے نکل آپؐ اور رفیق غار ابوبکر صدیقؓ سیدھے غار ثور میں داخل ہوئے۔ تین دن رات وہاں قیام فرمایا۔

تلاشِ قریش

قریش جب علم الیقین سے جان چکے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کے ہاتھ سے بچ کر نکل گئے۔ سر دھڑ کی بازی لگا سرگرم جستجو ہوئے۔ قدموں کا کھوج جاننے والے اکٹھے ہوئے۔ یکصد ناقہ انعام بذریعہ اعلانِ عام اس شخص کے لئے مقرر ہؤا۔ جو مطلوب کا کھوج لگا دے یا اُسے پکڑ کر ہمارے تک پہنچا دے۔ غارِ ثور تک قدموں کے نشانات پہنچے۔ غار کے منہ پر مکڑی نے جالا تنا ہؤا ہے۔ سامنے ایک گھونسلہ میں فاختہ نے انڈے بھی دے رکھے ہیں۔ عقل و قیاس یہاں گمراہ ہو جاتے ہیں کہ رات گھر سے نکلا ہؤا آدمی اس دروازہ سے اندر جائے۔ اور گھونسلہ اور مکڑی کا جالا ویسے کا ویسا رہے۔ اتنا وقت نہیں گذرا کہ مکڑی نے بعد میں جالا تنا ہو یا فاختہ نے گھونسلہ بنا کر بعد میں انڈے دے لئے ہوں۔ قدموں کے نشان وہیں ختم دیکھ کر جب کہیں راستہ نہ پایا۔ دستِ تحسر و تاسف ملتے ہوئے تلملا کر رہ گئے۔ سوائے مایوسانہ لیس گردش کے چارہ نہ رہا۔

جب دوسری جانب ہم نظرِ تامل کو پھیرتے ہیں۔ کس قدر خوفناک منظر سامنے پاتے ہیں۔ موت سر پر کھڑی آنکھوں کے سامنے ہے۔ وُہ موت کہ ایک آن میں ہم دشمن کے قبضہ میں ہیں۔ کیسا دشمن۔ وُہ دشمن کہ جس کے سینہ کی جلن اور اضطراب قلب کا واحد علاج ان دو مخلص رفیقوں کی بہر نوع تعذیب و تالیم سے جان کشی و خونریزی ہے۔ یہ دشمن ایسا اشد ترین قسی القلب اور بے رحم ہے۔ کہ اس موذی کا تصوّر ہی موت سے پہلے موت ہے۔ مگر یہاں ایک تو اللہ کا رسول ہے۔ دوسرا اس کا صاحب ہے۔ دونوں کو اللہ کی نصرت پر پُورا پورا اعتماد اور یقین کامل ہے۔ ان کا ایمان ہر رنج و غم ہر حزن و الم کے مہلک امراض کا دافع اکسیر اور تسکین فؤاد و اطمینان قلب کا مفرح شربت تھا۔ اللہ ساتھ ہے۔ اللہ کی نصرت ہمراہ ہے۔ رسُولِ عربی نے اپنے رفیقِ شفیق صدیق کو جو باقتضائے طبیعت بشری کچھ محزون نظر آئے فرمایا "لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا" ڈر کس بات کا ہے جس نے ہم پر ذمہ داری عاید کی وُہ خُود ہمارا محافظ ہے۔

تعاقب سراقہ

کھوج شناس کھوج گم کرکے خسر الدنیا والآخرہ غار کے منہ سے گھروں کو لوٹے اور نوجوانانِ عرب انعام کے لالچ پر اپنے قیاس کے مطابق اقطار و جوانب میں دوڑے۔ حضور سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی تین شب و روز قیام کے بعد سانڈنی پر جو پہلے سے اسی خدمت کے لئے تیار کی ہوئی تھی سوار ہو کر غار سے نکل سیدھا مدینہ کا رُخ کیا۔ سراقہ نام ایک شخص نے مکہ سے کافی دُور پیچھے سے جا لیا۔ انعام کا لالچ تھا۔ پکڑنے کو آگے بڑھا۔ گھٹنوں تک زمین میں دھنس گیا۔ "أَأَمِنتُم مَّن فِي السَّمَاءِ أَن يَخْسِفَ بِكُمُ الْأَرْضَ فَإِذَا هِيَ تَمُورُ" سراقہ عاجز ہو گیا۔ اپنی جان اور گھوڑے کی جان بچانے کیلئے سرورِ دو عالم سے دُعا کا خواستگار ہوا۔ رحمۃ للعالمین رؤف و رحیم نبی نے جو

موذی دشمن کو بھی ایذا پہنچانا نہیں چاہتے۔ دعا مانگی۔ زمین نے راکب و مرکوب دونوں کو اُگل دیا۔ سراقہ نے بعد میں اسلام قبول کرلیا تھا۔

مدنی اِستقبال

آپؐ مدینہ میں داخل ہو رہے ہیں۔ اہل مدینہ استقبال کو دوڑتے آتے ہیں۔ دورِ جدید کا احساس رگ و پے میں سرایت کر گیا۔ کانوں میں نئی آواز آرہی ہے۔ آنکھیں نئے نقوش دیکھ رہی ہیں۔ دماغ کے قوائے مدرکہ حیاتِ نو کے نئے نئے تخیلات سے رنگین قصور۔ پل۔ بروج مشیدہ تعمیر کرتی ہیں۔ حیاتِ نو کے تصوّر میں اس قدر جوش و خروش ہے کہ محبت اور اشتیاق کا خون بوڑھوں بچوں میں جوانوں میں عورتوں مردوں میں اس طرح جوش زن ہے کہ اس وقت اور حالت کی تصویر مصور کا آئینۂ تصور بھی نہیں پیش کر سکتا۔ بعض مورخین نے اس وقت کے مدنی نوخیز طبقہ کے حسّیات کو جو اُنہوں نے اپنے عمل میں پیش کیا۔ یوں ظاہر کیا ہے۔ کہ مدینہ کی بچیاں ملی و والہانہ کی خوشی میں گھر بیٹھے گیت گا رہی ہیں اور دف بجا کر شادی منا رہی ہیں۔ نظم

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا ۔۔۔ مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا ۔۔۔ مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعٍ
اَيُّهَا الْمَبْعُوْثُ فِيْنَا ۔۔۔ جِئْتَ بِالْاَمْرِ الْمُطَاعِ
جِئْتَ شَرَّفْتَ الْمَدِيْنَةَ ۔۔۔ مَرْحَبًا يَا خَيْرَ دَاعٍ
وَلَبِسْنَا ثَوْبَ عِزٍّ ۔۔۔ بَعْدَ تَلْفِيْقِ الرِّقَاعِ
فَعَلَيْكَ اللّٰهُ صَلّٰى ۔۔۔ مَا سَعٰى لِلّٰهِ سَاعٍ

ترجمہ:۔ وداعی ٹیلوں کے پیچھے سے ہمارا چودھویں کا چاند نکلا۔ جب تک بلانے والا خدا کے راستہ پر بلاتا رہے۔ ہمیں شکر گزار ہونا چاہیئے۔ ہم میں اللہ کا بھیجا ہوا نبی اللہ کی طرف سے قابل عمل حکم لے کر آیا ہے۔ مرحبا اے نیک کام

کے لئے بلانے والے دوست! آپ کی تشریف آوری سے ہماری بستی نے عزت پائی۔ اور ہمیں بھی عزت کے بوسیدہ چیتھڑوں کے بعد شرافت کا نیا نصیب ہوا۔ اللہ کے راستے میں جب تک کوشش کرنے والا کوشش کرتا رہے۔ اللہ بھی تجھ پر رحمت بھیجتا رہے۔

اہلِ مدینہ کی وقتی سیاست

اس وقت مدینہ میں قوت و طاقت یہود کی تھی۔ دوسرے عرب نہ ہونے کے برابر تھے۔ یہود ہمیشہ بنی اوس اور بنی خزرج عرب کے دو بھاری قبیلوں میں پھوٹ اور تفرقہ ڈال کر اپنی مطلب برآری کرتے رہتے۔ اسرائیلی مفسد دونوں جماعتوں میں بغض و عداوت کی آگ بھڑکا کر انہیں ایندھن بناتے۔ فتنہ و فساد کے شعلے آسمان تک اٹھاتے۔ سوکھی کے ساتھ گیلی بھی جل جاتی ہے۔ اس تفرقے نے ان کی عزت کا لباس پارہ پارہ کر دیا۔ ایک جگہ سے عزت کے چیتھڑے کو پیوند لگاتے۔ دوسری جگہ سے اور پھٹا ہوتا۔ نہایت ذلیل حالت میں تھے۔

دینِ جدید

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین مبعوث ہونے کو نیا دین لے کر آئے۔ یہ وہ دینِ متین ہے جو تمام ایمان والوں کو اخوتِ نسبی سے زیادہ قریب کر دیتا ہے۔ اس کا مرجع و مآب خدائے واحد ہے۔ ماویٰ و ملاذ توحید ہے۔ تعصب کا تعلق نہیں۔ حسد کا دخل نہیں۔ اس کے قانون میں مال و دولت۔ حسن و زینت جاہ و مرتبہ بڑا نہیں بنا سکتے صرف اللہ کا خوف جتنا بڑھتا جائے گا۔ مرتبہ بڑھتا جائے گا۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ۔ ان کا نظریہ ہے۔ درگاہِ قدس کی حاضری کے اوقات میں شاہ و گدا ایک صف میں کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہوں گے۔

مدینہ منوّرہ کا داخلہ

جمعہ مُبارک کے روز مدینہ میں داخل ہوئے۔ نمازِ جمعہ میدان میں پڑھائی۔ بعد میں جہاں سانڈنی بیٹھ رہی تھی۔ وُہ قطعۂ زمین خرید کر وہیں مسجد بھی بنائی۔ رہائش کا حجرہ کھڑا کیا۔ اس صاحب عزّت وکرم کے احترام و شرفِ قدوم کو استقبال کے لیئے سارا مدینہ کیا مہاجر و انصار کیا یہوُد و مشرک چھوٹے بڑے۔ مرد و عورت جوان و بوڑھے سب آگے بڑھے۔ ارداحِ مومنین میں روحِ کائنات سے تقابل پاکر قوائے موجبہ و سالبہ کے اجتماع سے نورانی شعاعیں ایسی تیز ہوئیں۔ اور شان و شوکت کا وُہ نور چمکا کہ یہود و مشرکین کی آنکھیں اس نوُر کے لمعات و اشعات سے چندھیا گئیں۔ وُہ نور کو دیکھتے مگر نور کی حقیقت سے بے خبر و بے بہرہ تھے۔ فالصَّ نوُر کی مشیّت سے محروم تھے۔ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْم۔
مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ اَنْ یَّھْدِیَہٗ یَشْرَحْ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ۔

مدینہ میں پہلا فکر

آپؐ نے مدینہ میں پہنچ کر اللہ کی یاد کی جگہ تعیّن کرنے کے بعد سب سے پہلے یہ کیا کہ یہوُد و مشرکین مدینہ کو اپنے حال پر رہنے دیا۔ تاکہ چند روز اپنے متعلق غور و فکر کریں۔ مستقبل کے صحیفہ کا خلوت میں مطالعہ کریں۔ اور امروز کے لائحۂ عمل پر ٹھنڈے دل سے غور و خوض کی نظر ڈالیں۔ ادھر آپ کو مہاجرِ رفقاء کے لیئے ضابطۂ کار مقرر کرنا تھا۔ ان کی دلبستگی اور دلجوئی کے اسباب تلاش کرنے تھے۔ اس جماعت جدیدہ کا شارع عمل اقتضائے وقت و حال کے مطابق تیار کرنا ضروری تھا۔

وُہ رؤفُ الرحیم نبی بخوبی جانتا ہے کہ یہ وُہ لوگ ہیں جو اپنے پیچھے اہل و عیال۔ اسباب و اموال۔ مساکن و بیوت۔ تجارت و صنعت سب کچھ چھوڑ آئے ہیں۔ اور

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ.

کے اعلان کے مطابق اللہ اور اس کے رسول کی رضا میں سب کچھ قربان کر چکے ہیں۔ ان کے عارضی طور پر اطمینانِ قلب کے لئے رشتۂ اخوت ضرور چاہیئے۔ آپ نے باہم اخوت کو نہایت خوش اسلوبی سے قائم کیا۔

مواخات

مہاجرین اور انصار برادری میں نیا سلسلہ اخوت قائم کیا گیا۔ یہ باہمی محبت اور اُلفت کی آہنی زنجیر نسبی اخوت سے محکم ترین ثابت ہوئی۔

یہ اخوت اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں قائم کی گئی۔ پیش ازیں تشتت تھا اب جمعیت ہوئی۔ فردیت نے جماعتی صورت اختیار کی۔ افتراق کی جگہ اتفاق نے لے لی۔ ارواح میں بھی امتزاج اور یگانگت پیدا ہوئی۔ انصار میں سے ہر ایک نے جو جس چیز کا مالک تھا۔ مہاجر بھائیوں کو بقدر حصّہ بانٹ کر دے دی۔ مہاجرین و انصار کی بصورت وحدت كَأَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ۔ محکم جماعت بن گئی۔ خدائے کریم بھی جماعت پر ہاتھ رکھتا ہے۔ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول اور ان کے رفیق عمل احباب کفار کے لئے اشد ترین اور باہم الفت و رحمت کا نمونہ ہیں۔ تو انہیں ہر وقت رکوع و سجود میں دیکھتا ہے۔ اللہ کی رضا اور اس کے انعام و فضل کو چاہتے ہیں۔ نشانات سجود سے پیشانیاں روشن ہیں۔ تورات اور انجیل میں بھی ان کی مثال ایک درخت سے دی گئی ہے جو ابتداءً ایک بال سا اُگتا ہے پھر مضبوط ہوتا ہے۔ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو جاتا ہے۔ کاشت کار دیکھ کر حیران ہو جاتا ہے۔" یہ صحابہ کرام کی جماعت بھی ایسے ہی محکم ہو گئی۔ جن کی

استقامت واستحکام کفّار کے غیظ و غضب کا موجب ہوئی۔

اخوّت

جب مؤمنین اور مؤمنات مہاجرین و انصار میں بھائی چارہ کی محکم بنیاد ڈال دی گئی۔ اور یہ بھائی چارہ بھی صرف اللہ کی رضا اور اس کے رسُول صلے اللہ علیہ وسلم کی محبّت میں قائم ہوا تھا۔ اور انصار نے یُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِہِمْ کی تصدیق میں عمل سے اس معنی کی سچائی کی تصدیق کر دکھائی۔ اب کسی قدر معاشی رنج و الم سے فرصت و فراغت ملی۔ چونکہ ایّام ماضیہ میں مُسلمانوں کی حیات گذشتہ نہایت قلق و اضطراب کی زندگی تھی۔ اور فطرت کا اقتضا یہی ہے کہ ہمایشہ اضطراب و بے چینی جلیل القدر امور کے صدور سے مانع رہتے ہیں۔ پریشانی و بدامنی کسی ایسے نظام قومی کی طرف غور و فکر کرنے کا موقعہ اور وقت ہی نہیں دیتی۔ کہ جس پر آئندہ بہترین حیات کی مضبوط اساس رکھی جا سکے۔ اسلام نے جو ایک بہترین زرّیں مقصد لے کر آیا۔ اور دُنیا و عقبےٰ کے تمام عقدوں کا صحیح اور آسان حل پیش کیا۔ دارین کی آسائشیں اس میں مضمر تھیں۔ مگر مکی جہالت کی ٹکر اور تصادم کے باعث دعوت کا مرکز مکّہ سے مدینہ منورہ تبدیل کرنا پڑا۔ یہاں بھی پہنچ کر گو مسلمانوں کی قوت ایک طرح مضبوط تو ہوگئی۔ مگر یہ حقیقت بھی نظر انداز نہ ہو سکتی تھی۔ کہ یہود کی قوت اسلام کی قوت سے چاہے کچھ ہو جائے۔ ایک دفعہ ٹکر ضرور لے گی۔

نیا فکر

خیال تھا کہ اب ہم امن کی سرزمین میں مقیم ہیں۔ سطح بین نظر کو ہر طرف سے ہر نوع امن ہی امن دکھائی دے رہا تھا۔ مگر حقیقت اس کے خلاف ہے مشکلات اور بڑھ گئیں۔ مکہ کے لوگ زیادہ مشتعل ہوئے۔ پھر مکہ میں ایک قوم یعنی اپنا قبیلہ تھا دشمن تھے وہ اپنے تھے۔ اپنا مارے سائے میں ڈالے مگر یہاں تو یہود بھی ہیں

مشرک بھی ہیں۔ عادات و خصائل میں انصار و مہاجر ایک نہیں۔ کچھ منافقین بھی شریک جماعت ہو گئے۔ اگرچہ اس سے پہلے مدینہ بیرونی خطرات سے بالکل محفوظ تھا۔ مگر اب قریش کے غیظ و غضب کی آماجگاہ بلکہ تاراجگاہ بن گیا۔ اس کے شواہد موجود ہیں۔

(۱) عبداللہ بن ابی مدینہ میں رئیس الانصار تھا۔ اسے قریش مکہ نے کئی تہدیدی خطوط لکھے۔ دھمکیاں دیں۔ تم نے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں کو اپنے شہر میں کیوں پناہ دی۔ وہ اس وجہ سے مسلمانوں کے خلاف کچھ برانگیختہ بھی ہوا۔ مگر جب سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم نے اُسے یہ سمجھایا کہ اگر تم ہم سے لڑو گے تو یہ سوچ لو کہ تمہارے خاندان کے بہت سے لوگ اسلام قبول کر چکے ہیں۔ انہیں سے لڑنا ہوگا۔ انہیں تباہ کرو گے یہ سُن کر وہ ٹھنڈا پڑ گیا۔

(۲) انہیں دنوں سعد بن معاذ قبیلہ اوس کے رئیس اعظم مکہ معظمہ میں طواف کعبہ کے لئے گئے۔ اُمیہ بن خلف کے ہاں مہمان ٹھہرے۔ ایک روز اُمیہ کے ساتھ طواف کعبہ کو جا رہے تھے کہ ابوجہل سے دوچار ہوئے۔

ابُوجہل:۔ یہ کون صاحب ہیں۔ کہاں سے آئے؟

اُمیّہ:۔ یہ سعد بن معاذ رئیس مدینہ طواف کعبہ کو آئے ہیں۔ میرے مہمان ہیں۔

ابُوجہل:۔ سعد! تم لوگوں نے صابیوں (یعنی مرتدین مذہب۔ مراد اہل اسلام) کو اپنے شہر میں پناہ دی ہے۔ اگر اُمیہ کے ہمراہ نہ ہوتے۔ جان سلامت نہ لے جاتے۔

سعد:۔ تم بھی جان لو اگر تم یا تمہاری قوم حج میں ہماری مزاحم ہوئی۔ تو ہم بھی تمہاری شامی تجارت کا دروازہ ایسا بند کر دیں گے کہ تم مکے بھوکے مر جاؤ گے۔ مَیں مَیں تُو تُو میں معاملہ یہاں تک بڑھا۔ کہ اُمیہ نے اپنے مہمان سعد کو کہا۔ ذرا گفتگو کے لہجہ میں حد مراتب ہاتھ سے نہ جانے دو۔ دیکھتے بھی ہو

تمہارا مخاطب مکہ کا رئیس ابوالحکم (معروف ابوجہل ہے)

سعد :- مجھے تیری پناہ کی بھی ضرورت نہیں۔ بیشک مجھ سے ہاتھ اُٹھا لے۔ میں خود نپٹ لوں گا۔ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے۔ تو بھی ان کے ہاتھوں قتل ہوگا۔ وہ تجھے جہنم رسید کریں گے۔

اُمیہ :- کیا مجھے۔ وُہ قتل کریں گے۔

سعد :- ہاں ہاں۔ ضرور تم انہیں کے ہاتھوں قتل ہو گے۔

اُمیہ :- مکہ میں۔

سعد :- یہ نہیں جانتا۔ نہ مجھے اس کا علم ہے۔

اُمیہ :- واللہ! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس بچپن میں بھی کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ جب بستر میں پیشاب کرنے کا زمانہ تھا۔

اُمیہ گھر کو لوٹا۔ دل میں پریشانیاں اور خیالات تگ و دو کر رہے ہیں۔ اپنی زوجہ سے واقعہ پوچھا تیرا اس میں خیال ہے۔ میرے یثربی بھائی سعد بن معاذ نے یہ بات کہی ہے۔

زوجہ اُمیہ :- سعد نے کیا کہا اور کہاں سے سُنا۔

اُمیہ :- سعد کہتا ہے میری کانوں سُنی بات ہے۔ خُود سرورِ کائنات محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

زوجہ اُمیہ :- خُدا کی قسم محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔

الفضل ما شهدت به الاعداء۔

یہ حالات اور قریش مکہ کی تولیت کعبہ کے باعث لوگوں میں ان کے احترام سے آئندہ پیش آنے والے واقعات کا تصور تسکین و اطمینان کو زوایائے خاطر میں داخل ہونے سے مانع تھا۔

یہود سے میثاق

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے وقتی طور پر جب غور و فکر کیا۔ تو خیال آیا کہ

مکہ کی نسبت مدینہ میں گو ہدایت کی زیادہ امید ہے۔ پھر بھی ان کو اپنے خیالات میں تھوڑی دیر آزاد چھوڑ دیا جائے۔ تاکہ انہیں سوچنے کا موقع ملے۔ اور حسب ضرورت اور دقت ان پر ان کی گمراہی روشن کی جاوے۔ بدیں صورت ممکن ہے۔ یہ لوگ اہل مکہ کی طرح عناد و تعنت کا شکار ہوکر باطل پر اصرار نہ کریں۔ اس لئے تبلیغ سے پہلے یہودیوں اور مسلمانوں کے درمیان ایک سیاسی وثیقہ نامہ لکھ کر مسالمت باہمی کے لئے توثیقِ عہد کرلی۔ یہ تحریر حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی فکرِ سلیم اور رائے ثاقب کی بیّن دلیل ہے۔ اور وہ عہد نامۂ یہود جزیرہ عرب کے لئے تا قیام قیامت حجّت بالغہ ہے۔

عبارت میثاق

(۱) یہود میں سے جو ہمارے ساتھ مل جائیں۔ ان کی امداد و غمخواری بے کم وکاست مسلمانوں کے ذمہ ہوگی۔ اور ان کے خلاف کسی کی امداد نہ کی جائے گی۔

(۲) ہاں جب ان کی امداد میں مسلمان کسی جماعت سے بر سر پیکار ہوں۔ مصارف حرب یہود کے ذمہ ہوں گے۔

(۳) یہودِ بنی عوف بحروفِ وثیقہ اگرچہ جماعتی طور پر مسلمانوں کے ساتھ ہیں۔ مگر مذہبی طور پر یہود کا دین یہود کے لئے اور اسلام مسلمانوں کے لئے ہوگا۔

(۴) ایامِ امن میں ہر جماعت اپنے خرچ کی خود ذمہ دار ہوگی۔

(۵) فریقین میں سے کسی پر بھی جب کوئی تیسرا حملہ آور ہو۔ دوسرے ساتھی کے ذمہ اس کی امداد لازم ہوگی۔

(۶) بنی عوف کی طرح یہود بنی نجار۔ بنی الحارث۔ بنی ساعدہ۔ بنی جشم۔ بنی ثعلبہ۔ بنی اوس اور ان کے موالی اور منسلک وملحق جماعتیں حقوق میں مساوی ہوں گی۔

(۷) ہر ایک فریق اپنے معاہد کی بہتری کا خواہاں اور برائی سے مانع ہوگا۔

(۸) اہلِ وثیقہ پر متفقہ طور پر یثرب کا احترام لازم ہوگا۔ اگر کوئی یثرب پر حملہ آور

ہو۔ مدافعت میں سب برابر کے شریک ہوں گے۔

(۹) دُشمن سے مصالحت فریقین کے مشورہ اور رضا سے ہوگی۔

(۱۰) اگر فریقین یعنی یہود مدینہ اور مسلمانوں میں کوئی امر موجب اختلاف ہو۔ جس سے باہم فتنہ و فساد کا خطرہ لاحق ہو سکتا ہے اس میں تنہا اللہ اور اس کے رسول کا فیصلہ حتمی سمجھا جائے گا۔

دوگونہ اضطراب

ہجرت اور یہوُد مدینہ سے معاہدۂ مسالمت قلق و اضطراب کا وقتی اور عارضی علاج ضرور ہوگیا۔ مگر سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کو ایک طرف دعوت اسلام کی نشر و اشاعت کا فکر لازم جس کے لئے رسالت سا جلیل القدر منصب عطا ہوُا۔ جانگداز ہے۔ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا۔ دُوسری طرف یہ بے چینی ہے۔ کہ اپنی نومسلم جماعت کی کس طرح دلجوئی اور حمایت کی جائے تاکہ کہیں فطری کمزوریاں دین میں فتنہ بن کر ترکِ اسلام کا سبب نہ بن جائیں۔ اور ایسا نہ ہو کہ دین کَاَنْ لَّمْ يَكُنْ ہو کر رہ جائے۔ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات قدس صفات رؤف و رحیم ہے۔ جس کی شہادت کلام قدیم رب العزت میں موجود ہے۔ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔ آپ کی رأفت و رحمتِ فطری مؤمن کی تکلیف برداشت نہیں کر سکتی۔ گویا ایک طرف تبلیغ کا فکر دامن گیر ہے تو دوسری طرف مؤمن کی آسودگی کی خواہش۔

اور کفار ناہنجار صرف سبیل توحید سے اعراض ہی نہیں کرتے بلکہ متبعین حق کی ایذا رسانی میں بھی نئے نئے حیلے سوچتے ہیں۔ محمد صلے اللہ علیہ وسلم بھی سوچ رہے ہیں کہ جب تک ان کے مقابلے میں کوئی سرشکن قوت موجود نہ ہوگی۔ ان کی عقل و فکر کی اصلاح نہیں ہو سکتی۔

اب قریش مکّہ نے مدینہ منورہ میں قوتِ جدیدہ کی تحریک و اہتزاز دیکھ کر یقین سے جان لیا کہ وقوعِ جنگ لامحالہ لابدی امر ہے۔ لیکن سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم رؤف و رحیم ہیں۔ خونریزی اور حرب وجدل سے متنفر و بیزار ہیں۔

بیعت عقبہ ثانیہ میں جب مدنی پروانوں نے شمع رسالت کے ہاتھ پر بیعتِ جانبازی کر کے اجازت مانگی کہ ہمیں اجازت ہو تو ہم اہلِ منیٰ پر تھوڑی دیر تلواریں آزمالیں۔ مجسمۂ رأفت ورحمت نے فرمایا۔ نہیں۔ مجھے اس کی اجازت نہیں دی گئی اور نہ ہی میں اس لئے بھیجا گیا ہوں۔

لیکن بدنہاد اعداء کی صبر آزما سیوف و ایذا رسانی کا انسداد قوتِ دفاع کے بغیر نہ ہو سکتا تھا۔ کس طرح اور کب تک گردن میں ہاتھ ڈالے الصلح خیر کا سبق رٹتے رہیں اور سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اسلام ومسلم کی حمایت و ہوا خواہی سے غافل رہیں۔ جبکہ مکّی دشمن گھر سے نکال مدینہ میں بھی دم نہ لینے دیں۔

محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے جان لیا۔ کہ اس وقت عقل سلیم کی نظر میں بھی اور سنّت تکوینی کے لحاظ سے بھی جنگ سے کسی صورت جائے گریز اور خلاص ومفر نہیں اور اس حیاتِ عبوری میں حرب وقتال کے بحرِ متلاطم میں شناوری کئے بغیر تبلیغ کے علاوہ ثبات وبقا بھی ممکن نہیں۔ لاچار سوچنا شروع کیا۔ ذاتِ مقدس فاطرِ فطرت اور خالق سرشت وجبلت خوب جانتا ہے۔ کہ عرب حریتِ مطلقہ کا عاشق و فریفتہ ہے۔

حریت کے دشوار گذار راستوں میں تلوار کی مشق و ریاضت اس کے لئے زینتِ نفس ہے۔ ناز ونعمت اور عشرت کی زندگی سے نفس کی فربہی کو وہ عار سمجھتا ہے۔ نسوانی گیت اور طبل وسرود سے گھبراتا ہے۔

مؤمن دیکھ رہا ہے۔ کہ دعوتِ اسلام میں حریّت کے لئے اس شجاعانہ تہوّر کی اجازت نہیں۔ بلکہ حریّت کی تعریف ایک خاص دائرہ میں محاط ہے۔ شترِ بے زمام اور اسپِ بے عنان کی طرح ذوپایائے صحرا میں بے غور وخوض تگ ودو کرنا حرّیت

نہیں غوایت ہے۔
اللہ کریم یہ بھی دیکھ رہا ہے۔ کہ عنید و علید عرب جو جنگ و قتال میں پیدا ہؤا۔ لڑنے مارنے میں پلا پوسا۔ حرب و ضرب میں شباب و شیب گذارا وہ کسی طرح بھی قوت جابرہ اور طاقت قاہرہ کے بغیر جو اس کی سباعی قوت کے دانت توڑ دے۔ طریق حق کی طرف جہاں سے اسے امنوا امنوا کی صدا آ رہی ہے۔ سمع رضا لگانے کو تیار نہیں۔

اسے یہ دیکھنا بھی گوارا نہیں کہ سرور کائنات کی محفل اقدس میں چند اللہ کے بندے نظر آئیں وہ تو سرور کائنات سے اسلام سے۔ اہل اسلام سے۔ قرآن سے استہزا بالکلام یا صرف ہمز و لمز اور رمز و غمز پر اکتفا نہیں کرتا۔ بلکہ اس کی حرارت خون اور حسیات اعصابی امن طلب مسلم کی خونریزی کے لئے بھی جوش مار رہی ہیں۔ اور وہ جنگ کے لئے تلا ہؤا ہے۔

اللہ تعالےٰ عزیز علیم جانتا ہے۔ کہ ہادئ کافۃ للناس صلے اللہ علیہ وسلم متواتر تیرہ سال سے دین حق کی دعوت دے رہے ہیں۔ ترک سیئات۔ اختیار حسنات کی تحریک ہے۔ ذمائم کا چھوڑنا محامد کو قبول کرنا سکھاتے ہیں۔ مگر وہ ہر لحظہ بیش از بیش باطل و خذلان پر مُصر ہیں۔ مسلمانوں کی ایذا رسانی ان کی تفریح کا مشغلہ ہے۔

اللہ تعالیٰ علیم و خبیر ہے۔ کہ مسلمانوں نے ترک وطن منظور کیا۔ اپنی رشتہ داریاں مساکن۔ تجارتیں۔ زراعتیں۔ صنائع و حرفتیں۔ مال و متاع۔ اہل و عیال اور ہر قسم کے مصالح ترک کئے۔ مگر جنگ کی طرف پیش قدمی نہ کی۔ تاحد امکان ہر قسم کی مصیبتیں برداشت کیں تاکہ تلوار ہاتھ میں نہ لینی پڑے۔ مسلم جانتا ہے انسانی خون کی خدا کے ہاں بڑی قیمت ہے۔ سفک الدم خدا کو پسند نہیں۔ قتل و غارت سے گریز و اعراض کی ہر ممکن کوشش کی۔ مگر ناکام رہا۔

پیمانۂ صبر و برداشت لبالب ہو چکا ہے۔ اب ایک قطرہ کی گنجائش باقی نہیں۔ رفیق صحابہ جنگ کے لئے بے چین ہیں۔ سرور کائنات خدا کے حکم کے

منتظر ہیں۔ وحی آئی۔

(۱) اُذِنَ لِلَّذِیْنَ ان لوگوں کو جو اس لئے جنگ کرتے ہیں کہ ان پر دشمن کے مظالم ٹوٹ پڑے۔ جنگ کی اجازتِ عام ہے۔ اور اپنی قلت کا فکر نہ کریں۔ اللہ ان کی نصرت پر قادر ہے۔ (۲) مگر مسلمانو! یاد رکھو۔ ان سے اس حد تک جنگ کرو کہ اس سے مقصود فتنہ و فساد نہ ہو۔ خالص اللہ کے دین کے لئے ہو۔ یہ ہے صریح جنگ کا حکم۔

جنگ کن لوگوں سے ہے

ایسی صورت میں سوائے دفاعی مجبوری کے کون جنگ کے لئے آمادہ ہوتا ہے جبکہ اپنے اشخاص میں قلت۔ سامانِ حرب کا فقدان اور ان عربوں سے مقابلہ ہے۔ جن کی پشت پر تمام عرب موجود ہے۔ بہادر ہیں دلیر ہیں۔ شجاعت میں اپنی مثال خود ہیں۔ غیور ہیں۔ تاخت و تاراج ان کی فطرت ہے۔ جنگوں میں پیدا ہوئے۔ جنگوں میں طفولیت و شباب گذارا۔ جنگ ہی میں مرنا ان کے لیئے مایۂ ناز اور قابلِ فخر موت ہے۔ بستر کی موت ان کے لئے عار ہے۔ سب سے مشکل بات یہ کہ جن سے مقابلہ ہے ان میں کوئی بھائی ہے کوئی باپ ہے۔ کوئی بیٹا ہے۔ عمّ ہے خال ہے۔ وہ سب قریبی رشتہ دار ہیں۔ جن کے ہاتھوں مرنا ہے۔ یا جن کو مارنا ہے۔

پھر سرورِ دو عالم اپنے ساتھیوں سمیت عدد میں اقل ہیں۔ ساز و سامان کے لحاظ سے صفر الیدین ہیں۔ ہر شش سمت دشمن تاک میں ہے۔ ہاں صرف ایک اللہ کا وعدہ ہے۔ کہ "اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِہِمْ لَقَدِیْرٌ" یہی بخیتہ اطمینان اور تسکین ہے۔

گو واقعات اور وقتی حالات کے پیشِ نظر جنگ دشوار ترین رہ گذر نظر آتا ہے۔ لیکن جب ملی اور اجتماعی ضرورت اس میں جھونک دے۔ "فَھَلْ اِلٰی خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِیْلٍ" ناگزیر اس میں کودنا پڑتا ہے۔

سید القائدین کب تک موقع اور وقت کی انتظار کرتے۔ مصلحت کے مدِّ نظر

اب جنگ کا اعلان جرم نہیں۔ حربی حیلہ وخداع کو عمل میں لانا مقام ملامت نہیں۔ سختی میں سختی اور نرمی میں نرمی آداب حربیہ میں شامل ہے۔ وحی الٰہی کے دائرہ سے بھی باہر نہیں۔

اس وقت سارے عرب میں صرف قوم قریش ہی اس حساب میں آسکتی تھی کہ اسے مدمقابل تصوّر کیا جائے۔ باقی قبائلی جماعتیں کسی گنتی میں نہ تھیں۔

سب سے پہلے مسلمانوں نے ترغیب وترہیب سے چھوٹی جماعتوں کو اپنے ساتھ ملانا شروع کیا۔ تاکہ اگر وقت پڑے انہیں دشمنوں کے خلاف استعمال کیا جائے۔ یا کم ازکم وُہ غیر جانبدار رہ کر مسلمانوں کے لئے مشکلات پیدا نہ کرسکیں۔ (اس دوران میں) اور جب مسلمان قریش مکّہ سے نپٹ لیں۔ مکہ جو تمام عرب کا مرکز ہے۔ فتح ہو جائے۔ مکی جو اپنے آپ کو تمام جزیرہ عرب میں سیادت کے علمبردار سمجھتے ہیں۔ ایمان قبول کر لیں اور مرکز فتح ہوکر اسلام کے عروج کا سبب بن جائے تو تمام عرب خود بخود یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا" گروہ در گروہ فوج در فوج رسُولِ حق کے قدموں کی پناہ میں ہوں گے۔

اہتمام جیش

جب ذرا غور وفکر سے کام لیں۔ اور سوچیں کہ کفّار ومشرکین مکّہ کے خلاف سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کون کون لوگ صف آرا ہوں گے تو مہاجرین اور انصار کے بغیر کوئی دکھائی نہیں دیتا پھر انصار کے عہد وپیمان کا جائزہ لیتے ہیں۔ ان کی بیعت بیعتِ حمایت اور منع دشمن ہے۔ جنگ دفاعی کا لزوم عہد وپیمان میں ظاہر وروشن ہے۔ لیکن اقدامی لشکر کشی کا عہد نہیں پایا جاتا۔ مہاجرین کی تمام قسم کی قربانیاں ہمراہ ہیں۔ لیکن مہاجرین مکّہ میں جن لوگوں کو چھوڑ آئے ہیں۔ ان میں اہل وعیال بھی ہیں۔ ماں باپ بھی ہیں بھائی بہن بھی ہیں۔ کسی نہ کسی قرابت کے لواحقین ہیں۔ سررشتہ تعلق ضرور وابستہ ہے۔ ساتھ یہ بھی ہے کہ اہلِ مکّہ سے

ان کے قلوب زخمی ہیں۔ سینے چھلنی ہیں۔ غیرت و حمیت کی آگ شعلے مار رہی ہے۔
سب سے پہلے اللہ کا دین قبول کیا ہے۔ اللہ اور اس کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی رضا کے لیئے دنیا سے منہ موڑا۔ وطن چھوڑا۔ اہل وعیال چھوڑا۔ گھر بار چھوڑا۔ کاروبار چھوڑا۔ وُہ قریش کی کمزور رگ سے بھی خوب واقف ہیں۔

مہاجرین میں قوم کے سادات بھی ہیں۔ اشراف بھی ہیں۔ جو مرد بھی ہیں۔ کمزور بھی ہیں۔ رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے قوت کی تعلیم علم وحکمت کا درس لے چکے ہیں۔ صبر کی استعداد بھی کافی سے زیادہ پیدا کر لی ہے۔ سرورِ کائنات نے ان کے ایمان کی بھی پڑتال کر لی ہے۔ ان کی حدِ قربانی سے بھی واقف ہیں۔ مگر قلت بھی ہے۔

تجویزِ مشقِ جنگ

مشقِ جنگ کے طریق کار کی تجویز یہ ٹھہری کہ پچاس پچاس سَو سَو کے دستے مختلف اطراف وجوانب میں گردش کریں۔ تاکہ آنے والے امرِ عظیم کے پیشِ نظر کچھ معلومات و اطلاعات بھی بہم پہنچ سکیں۔ کچھ مکی لوگوں کے تجارتی راستوں سے آگاہی ہو کچھ طریقِ آمد و رفت سے واقفیت اور عوام کو مرعوب کر کے ان پر اپنی قوت و طاقت کا اثر ڈالنا بھی مقصدِ اعظم تھا۔ کہ وقت پر جرأت کر کے دشمن کا ساتھ نہ دے سکیں۔

ان سرایا کے لئے محض ان لوگوں کو انتخاب کیا گیا جو روحانیت خالص کی قوت رکھتے تھے۔ منافقوں اور کمزور ایمانوں کی خوب پڑتال کر لی گئی۔ وُہ آدمی بھی نہ لئے گئے۔ جو ابھی ابھی ایمان لائے تھے۔ انصار اس واسطے شامل نہ کئے گئے۔ کہ وُہ مدینہ میں مال و متاع اہل وعیال اور ذرائع مکاسب کے مالک ہیں۔ یہ اسباب ابھی دلبستگی کا موجب ہو سکتے ہیں۔ مال و جان کے تلف ہونے کا وسوسہ شیطان پیدا کر سکتا ہے۔ کہیں عزم کے پاؤں ڈگمگا نہ جائیں۔ اس

مقصدِ عظیم کے لئے صرف وُہ آدمی انتخاب کئے گئے جن کے دل ایمان کی روشنی میں شہادت کے متلاشی تھے اور قلب اذعان و ایقان کے نور سے معمور تھے۔ جو اپنے لئے موت میں تمام نعمتیں چاہتے تھے۔ نہیں نہیں۔ بلکہ میدان جہاد فی سبیل اللہ میں خون کے داموں اللہ کی رضا اس کے رسُولؐ کی خوشنودی اور خلودِ جنت ارزاں سودا سمجھ کر بڑھ بڑھ کر خریدتے تھے۔

اللہ اکبر اللہ اکبر سیّدنا حمزہ عمِّ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم شہید فی سبیل اللہ سب سے پہلے اپنے گھوڑے پر زین لگاتے ہیں۔ تیس جوان مہاجر ہمراہ ہیں۔ سب کے سب اللہ کی رضا چاہنے والے گھوڑوں پر سوار مدینہ منورہ سے نکلے۔ سمندر کے کنارے کا رُخ کیا۔ کچھ منزلیں طے کرنے کے بعد ابوجہل بن ہشام تین سو سواروں کا دستہ لئے سامنے نظر آتا ہے۔ یہ تیس جوان ایمان اور صافی رُوح کی قوت رکھتے ہیں۔ وُہ تین سو ظلماتِ کفر و باطل سے بھر پُور ہیں۔ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ ط اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۔ حق کے شہابِ ثاقب کو دیکھ کر شیاطینِ جنات کی طرح پیچھے کو مُنہ موڑا۔ سیّدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ اپنے سے دس گنا گنتی میں زیادہ جماعت پر دھاوا بول دیں۔ مگر ضعیف دُشمن نے فرار کے بغیر قرار نہ دیکھا۔

پھر عبیدہ بن حارث ساٹھ مہاجر سواروں کو لے کر وادی رابغ کو گئے۔ ابُوسفیان دو سواروں کا دستہ لئے ملا۔ وُہ بھی بھاگ گیا۔ سعد بن ابی وقاص کا سریہ بھی ایسے ہی مشہور ہے۔ ان سرایا سے مقصُود نہ قتل و غارت تھا نہ ایسا کیا گیا۔ صرف دشمن کو مرعوب کرنا اور بعض راہگذروں سے آگاہی حاصل کرنا مقصُود تھا۔

صفر ۲ھ ہجری میں خوُد سرورِ کائنات ساٹھ مہاجرین کے ساتھ وادی ابوا تک گئے۔ جو مدینہ سے آٹھ منزل دُور تھی۔ وہاں چند روز قیام کیا۔ بعد میں بنو ضمرہ سے معاہدہ ہوُا۔

پھر جمادی الثانی میں اسی سال ذوالعشیرہ پہنچ کر بنی مدلج سے معاہدہ ہوُا۔ یہ

جگہ ینبوع کے نواح میں مدینہ سے نوّے میل دُور ہے۔

ایک ناگوار واقعہ

ذکر ہو چکا ہے۔ کہ سرایا کا مقصد ترہیب اور مرعوب کرنے کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ اسی لئے کہیں خونریزی نہیں ہوئی مگر رجب ۲ھ ہجری میں عبداللہ بن جحش کو بارہ آدمیوں سمیت ایک جانب روانہ کیا گیا اور ایک لفافہ بند کرکے دے دیا۔ فرمان نبوی تھا۔ کہ اسے دو رات دن کی مسافت طے کرنے کے بعد کھولنا ہوگا۔ جو کچھ اس میں لکھا ہے۔ اس پر عمل کرنا۔ چنانچہ دو روز کے سفر کے بعد جب رقعہ دیکھا۔ اس میں لکھا تھا بطن نخلہ میں قیام کرو۔" یہ مقام طائف اور مکہ کے درمیان مکہ سے شبانہ روز کے فاصلہ پر ہے۔" یہاں رہ کر قریش کے ارادوں اور آمد و رفت کے رستوں کا جائزہ لیتے رہو۔ اور اطلاع دیتے رہو۔ اتفاق سے قریش کے چند آدمی مال تجارت لئے سامنے جاتے نظر پڑے۔ عبداللہ نے حملہ کر دیا۔ کچھ لوگ بھاگ گئے دو پکڑے گئے دو مارے گئے۔ مرنے والوں میں ایک عمرو بن حضرمی قوم کا رئیس عبداللہ بن حضرمی کا بیٹا تھا۔ جو کہ حرب بن امیہ کا حلیف بھی تھا۔ گرفتار ہونے والے بھی عثمان بن عبداللہ اور حکم بن کیان اپنی قوم کے سردار تھے۔ مدینہ میں جب دونوں اسیر اور مالِ غنیمت سرورِ کائنات کے پیش ہوئے۔ آپؐ ناراض ہوئے۔ فرمایا۔ میں نے اس لئے تو نہیں بھیجا تھا۔ جو کچھ تم نے کیا۔ غلط کیا۔ کفارِ مکہ اس سے بھڑک اُٹھے۔ بعد میں آنے والے محاربات میں اس غلط فہمی کا بھی حصّہ ضرور ہے۔

تحویلِ کعبہ

سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لے جانے کے ایک سال پانچ ماہ بعد بیت المقدس سے مکہ کی جانب منہ کرکے نماز پڑھنے کا حکم ہوا۔ آپ نے برسرِ منبر اعلان کیا۔ ضعیف الایمان لوگوں نے بھی سُنا۔ اور سَیَقُولُ

السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ کَانُوْا عَلَیْهَا؛
آیت نازل ہوئی۔

جنگِ بدر

بدر اصل میں ایک کنوآں تھا جو بدر بن کلدہ نے نام سے منسوب تھا۔ بعد میں وُہ مقام بدر کہلانے لگا۔

جنگ کے وجوہات

حقیقت میں یہ سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم سے ابوجہل کی جنگ تھی۔ یہ اسلام اور پیغمبر اسلام سے اس کے عناد کا تلخ نتیجہ تھا۔ اس کا بہانہ کچھ تو عمرو بن حضرمی کا قتل بن گیا۔ جسے عبداللہ بن جحش نے بطن نخلہ میں مارا تھا۔ اور رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس پر ناراضگی کا اظہار بھی فرمایا اور کچھ مسلمانوں کو مدینہ میں پناہ ملنے سے کفارِ مکہ کو اپنی شامی تجارت کا خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔ جس کا ذکر ہو چکا ہے۔ کہ جب سعد بن معاذ طوافِ کعبہ کے لئے مکہ گیا، اور اُمیہ بن خلف کے ہاں مہمان تھا۔ اور ابوجہل سے سخت کلامی ہوئی اور دونوں نے ایک دوسرے کو دھمکیاں دیں۔ تیسرے قریش کو یہ غلط خبر پہنچی کہ ابوسفیان شامی قافلہ کی قیادت میں مال تجارت لئے آرہا ہے اور مسلمانوں نے لوٹ لیا۔ یا لوٹنا چاہتے ہیں۔ یکے بعد دیگرے یہ ایسے واقعات تھے کہ مشرکین مکہ نے۔ خصوصاً ابوجہل نے جنگ کی ٹھان لی۔ ورنہ رؤسائے مکہ میں سے کوئی بھی جنگ نہ چاہتا تھا۔

قریش جنگ سے پہلے اور بعد

قریش کی بددلی اور پریشانی کی شہادتیں بتاتی ہیں۔ کہ وہ جنگ کے لئے تیار نہ تھے۔ صرف ابوجہل نے مجبور کیا۔ اور ان کو ہلاکت کے گڑھے میں بلکہ جہنم کے کنوئیں میں دھکیل دیا۔

(۱) عاتکہ بنت عبدالمطلب نے جنگ سے چند روز پہلے خواب میں دیکھا کہ ایک سانڈنی سوار مقام لبطحے میں آیا۔ بلند آواز سے پکار پکار کر کہا۔ اے غدارو! اے غداروں کی اولاد تمہیں صرف تین روز کی مہلت ہے۔ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ تین دن کے بعد آتش حرب کے شعلوں میں جھونکے جاؤ گے۔ عاتکہ کہتی تھیں کہ میں دیکھ رہی ہوں کہ یہ لوگ اس کے گرد جمع ہو گئے۔ پھر وہی سانڈنی سوار مع سانڈنی مسجد حرام میں داخل ہو کر سقف کعبہ پہ سواری سمیت چڑھ گیا۔ اور اسی زور و شور کی آواز سے وہی اعلان دہرانا شروع کیا۔ تھوڑی دیر بعد سوار اور اس کی سانڈنی جبل قبیس کی چوٹی پر دکھائی دیئے۔ حسب سابق اعلان کو دُہرایا۔ اور وہاں سے ایک بھاری پتھر نیچے لڑھکا دیا۔ جو نیچے گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ اس سے جو سنگریزے اڑے مکہ کا کوئی گھر اور کوئی مسکن بھی ایسا نہ تھا جس میں وہ پتھر غلیل سے نکلے ہوئے غلّہ کی مانند نشانہ نہ بنے ہوں۔

یہ خواب مکہ میں عام پھیل گیا۔ لوگ حیران بھی تھے۔ ہراساں بھی تھے۔ یہاں تک کہ ابوجہل جب راستہ میں عباس بن عبدالمطلب سے دوچار ہوئے۔ تمسخرانہ لہجہ میں کہا۔ مطلبی بھائی بتاؤ تو سہی تم میں نبیہ (عاتکہ) کب سے پیدا ہونی شروع ہو گئی پہلے تم میں مرد نبوت کا دعویٰ کرتے تھے۔ اب عورتیں بھی متنبیات ہونے لگیں۔ اچھا چونکہ عاتکہ نے صرف تین دن کی مہلت رکھی ہے۔ اگر ایسا ہو گیا تو خیر۔ ورنہ جلی قلم سے ایک قطعہ لکھ کر کعبہ میں لٹکا دیا جائے گا۔ کہ عرب میں عبدالمطلب کا خاندان جھوٹوں کا سردار ہے۔

عباس نے جواب میں کہا۔ تو جھوٹا تیرا خاندان جھوٹا۔ ان کے درمیان میں میں تو تو سے معاملہ بڑھا چاہتا تھا کہ کچھ باسمجھ سلجھے ہوئے آدمیوں نے غصّے کی آگ بجھا دی۔ تصفیہ ہو گیا۔ لیکن دلوں میں کینہ بھڑکا۔ بنی عبدالمطلب کے قلوب پہلے ہی خراشیدہ تھے۔ کہ ابوجہل کی شرارتوں سے تنگ آکر سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کو مکہ چھوڑنا پڑا۔ اب عورتوں کے متعلق باتیں کرنا خون کو جوش

میں لانے کا موجب ہوا۔ یہاں تک کہ بعض عورتوں نے عباس بن عبدالمطلب کو یہ کہہ دیا۔ یہ باتیں سُن کر تجھے غیرت بھی نہ آئی۔ اس بدبخت کا سر قلم کر دیتا۔ تمہارے مَردوں کو ایذا رسانی میں اس کم بخت نے کونسی کمی کی ہے کہ اب عورتوں پر ہاتھ اُٹھانا شروع کیا۔ عباس غیور جسور تھے۔ غصّے میں آکر کہا۔ اب کے اگر وہ کوئی ایسا کلمہ بولا اس کا سر تن سے جُدا پڑا ہوگا۔

۲۔ تذبذب

ضمضم بن عمرو غفاری ابی سفیان کی جانب سے قاصد بن کر پہنچا۔ سانڈنی کی نکیل چری ہوئی۔ کان کاٹے ہوئے۔ اپنی قمیص پھاڑی ہوئی (یہ سب پریشانی اور مصیبت کے اظہار کے لئے تھا) پکارتا ہوا آیا۔ یا قریش! یا قریش!! یا ویلاہ یا ویلاہ۔ قافلہ کی خبر لو۔ ہم لوٹے گئے۔ ہمارا قافلہ شام سے عطریات اور غلہ لا رہا تھا۔ راستہ میں خطرہ ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور ان کے ساتھی اس کی تلاش میں ہیں۔ قافلہ کو پا لیا ہوگا یا پالیں گے۔ امداد کے لئے جلدی پہنچو۔ لوگ اکٹھے ہو گئے کہ جلدی پہنچیں۔

۳۔ ابولہب کا انکار

ابُولہب مکّہ کا رئیس قوم کا سردار نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا بدترین دُشمن جب لوگ اس کے پاس گئے۔ اس نے ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ اور کہا مجھے عاتکہ کے خواب کا یقین آگیا۔ وہ صحیح ہے۔ مجھے تو موت کا اژدھا پھنکارتا نظر آتا ہے۔ میں دیدہ دانستہ موت کے منہ میں نہیں جا سکتا۔ اپنی جگہ عاص بن ہشام بن مغیرہ کو چار ہزار درم کا لالچ دے کر بھیج دیا وُہ مفلس تھا اس نے قبول کر لیا۔

۴۔ امیّہ بن خلف کا تذبذب

یہ بھی مکّہ کا بڑا رئیس ہے۔ اس کے متعلق پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ کہ سعد بن معاذ جب طواف کعبہ کے لئے امیّہ کا مہمان ٹھہرا۔ ابوجہل سے سخت کلامی ہوئی۔ سعد کی زبان سے سُن چکا تھا۔ کہ سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ

امیہ میرے ہاتھوں جلدی قتل ہوگا۔ اُسے بھی موت ڈرا رہی تھی۔ اور ساتھ دینے میں متردد تھا۔ آخر ابوجہل اور عقبہ بن ابی معیط نے کچھ مجبور کیا کچھ شرم دلائی۔ عار سے مجبور ہوا۔ شامل ہونے کو زبان دی۔

۵۔ قرعہ اندازی

امیّہ بن خلف۔ عتبہ بن ربیعہ۔ شیبہ بن ربیعہ۔ زمعہ بن اسود۔ حکیم بن حزام مکہ میں چوٹی کے رئیس اور سردار تھے۔ سب کو جرأت نہ ہوتی تھی کہ جنگ میں شامل ہوں۔ آخر قرعہ اندازی کی ٹھہری ایک پرچہ پر لکھا۔ اِفْعَلْ۔ "کر" دوسرے پرچے پر لکھا۔ "لَا تَفْعَلْ"۔ "نہ کر"۔ پھر کئی دفعہ قرعہ ڈالا۔ نہ کرو کی فال پڑتی۔ نہایت پریشان ہوئے آخر ابوجہل اصرار کرتا۔ عار دلاتا رہا۔ چند اور ابوجہل ذہنیت کے اشخاص بھی یہی چاہتے تھے طوعاً و کرہاً لرزتے کانپتے شامل ہونا پڑا۔

عداس نصرانی کا ذکر آچکا ہے۔ جس نے طائف میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان سے بسم اللہ سُن کر ان سے مکالمہ کیا تھا۔ جب یہ انگور اسی عتبہ اور شیبہ کی طرف سے آپؐ کے پاس لے گیا تھا۔ اُس کے دل میں نبوّت کا احترام تھا۔ عتبہ اور شیبہ دونوں کو کہا۔ اے میرے آقا۔ بابی انت و امی۔ خُدا کی قسم تم موت کے مُنہ میں دھکیلے جا رہے ہو۔ مگر کیا ہو سکتا تھا۔ تقدیر نے اندھا کر رکھا تھا۔ موت بلا رہی تھی۔ ابی جہل کی رائے غالب آئی۔

۷۔ بنو کنانہ سے خطرہ

قریش نے بنو کنانہ کا ایک بوڑھا بزرگ قتل کر دیا۔ قریش میں کا ایک نوجوان قبائل بنو کنانہ کے ہاتھ لگ گیا۔ انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ اب نوجوان مقتول کے بھائی کو موقع ملا۔ اس نے بنی کنانہ کے سردار عامر کو قتل کر کے اس کی تلوار کعبہ میں لٹکا دی۔ یہ اپنی فتح اور بہادری کی نمائش تھی۔ صبح جب قریش نے کعبہ میں تلوار لٹکی دیکھی۔ پا گئے کہ تلوار عامر سردار کنانہ کی ہے۔ اسے فلاں نے قتل کر دیا۔ ادھر بدر کی تیاری تھی۔ بنو کنانہ راستہ میں پڑتے تھے۔ بہت سے

قریش ساتھ جانے سے بیدل ہو گئے۔

۷۔ ابو سفیان کی اطلاع

مشرکین مکہ امداد قافلہ کے لئے گھر سے روانہ ہوئے بعض بجبر و اکراہ۔ بعض ملامت و عار کے خوف سے۔ بعض ریاکاری سے۔ مگر دل کی دھڑکن بے چین کئے ہوئے ہے۔ ابھی پہلی منزل میں ہوں گے۔ کہ ابوسفیان کا قاصد آپہنچا۔ ہمارا قافلہ خطرہ کے مقام سے صحیح سلامت نکل چکا ہے۔ جہاں ہو۔ وہیں سے واپس گھروں کو لوٹ جاؤ۔

بہت سے لوگ واپس لوٹنے کو تیار ہو گئے۔ مگر ابوجہل نے کہا۔ خدا کی قسم ہم ہرگز واپس نہیں جاتے۔ مقام بدر پر پہنچنا ضروری ہے۔ وہاں تین روز پورے قیام ہوگا۔ بوتے (نوجوان اونٹ) ذبح کریں گے۔ طرح طرح کے کھانے پکائیں گے۔ عیش منائیں گے۔ طوائفیں گائیں گی۔ رقص و سرود سے ہمارے دل بہلائیں گی۔ ایسی دھوم دھام ہوگی کہ تمام عرب میں ہماری ہیبت کا ڈنکا بج کر رہے گا

ابوسفیان کی رائے

جب ابوسفیان نے سنا کہ ابوجہل لوٹنے سے مانع رہا۔ کہا یہ ابوجہل کی بغاوت ہے۔ اور بغاوت شقاوت کی علامت اور موجب نقصان ہے۔ جب اللہ نے قوم اور ان کے مال و اسباب بچا لئے پھر آگے بڑھنے کی کیا ضرورت تھی۔

افتراق

ابوجہل کی یہ تعلّیات و تفاخر سن کر قریش کا مشہور قبیلہ بنو زہرہ جو ایک روایت کے مطابق یکصد اور دوسری روایت کے مطابق سہ صد مسلح نوجوانوں پر مشتمل تھا وہیں سے واپس ہو گیا۔ ان کے سردار اخنس بن شریق ثقفی نے اپنی قوم سے خطاب کیا اور کہا۔ اے میری قوم! اللہ نے تمہارے مال بھی محفوظ رکھ لئے۔ تمہارا

قائدِ تجارت مخرمہ بن نوفل بھی خیریت سے دشمن کی زد سے نکل آیا: تمہاری یہ سعی اور مہفت اپنے مال اور صاحب کی حفاظت کے لئے تھی۔ اب اس کی ضرورت نہیں رہی۔ اس لئے ہم یہیں سے لوٹتے ہیں۔

قبل وقوعِ جنگ بدر قریشِ مکہ کے یہ وہ واقعات ہیں۔ جن سے ان کی بددلی خوف زدگی اور پریشانی کے نشانات قدم قدم پر تاریخ میں نمایاں نظر آ رہے ہیں۔

مسلمانوں کا جزم

کفّار ناہنجار کی پریشانی کے ساتھ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے پروانوں کے جذبات کو تھوڑا اُجاگر کرنا بھی ضروری ہے۔ تاکہ حق اور باطل کی قوتوں میں امتیاز اور حدِّ فاصل سامنے آجائے۔ اور اسباب پر نظر رکھنے۔ جسمانی قوّت پر اترانے والوں میں اور مسبّب سے روحانی قوّت کا فیض پاکر شکر گذاروں میں فرق بیّن معلوم ہو جائے۔

اصحاب سے مشورہ

محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم جان چکے ہو۔ کہ دشمن مکہ سے تیاری کرکے ہمارے خلاف روانہ ہو چکا۔ انہیں خطرہ ہے کہ ابوسفیان کا تجارتی قافلہ جو شام سے قیمتی سامان لا رہا ہے۔ مسلمان لوٹ نہ لیں۔ ہم قافلہ بھی لوٹ سکتے ہیں۔ دشمن کا مقابلہ بھی سامنے ہے۔ تمہاری اس میں کیا رائے ہے۔

ایک گروہ نے تو یہ کہا۔ کہ دشمن سے مقابلہ دیکھا جائے گا۔ پہلے قافلہ لوٹ لیں مال غنیمت سے ہماری حالت آسودہ ہو گی۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم گو خاموش رہے۔ مگر آنکھیں اور رُخ مبارک انار کی طرح سُرخ ہو کر رنج و غضب باطن کی ترجمانی کرنے لگے۔ ابوبکر صدیقؓ اور عمرؓ باری باری اُٹھے اور یہ کہہ کر بیٹھ گئے۔ احسن یا رسول اللہ آپ جو بہتر جانتے ہیں۔ اس کے لئے حکم دیں۔

حضرت مقداد بن عمرو

کھڑے ہوئے۔ عرض کی یا رسول اللہ! جو اللہ کا امر ہے۔ آپ وہی فرمائیں۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ خدا کی قسم ہم بنی اسرائیل نہیں ہیں کہ جنہوں نے اپنے پیغامبر موسیٰ علیہ السلام کو وقت پڑے یہ کہہ دیا تھا: اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ " ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔ تو جا اور تیرا خدا دشمن سے لڑتے پھرو۔ یا محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہم تیرے غلام ہیں۔ ہم تو کہتے ہیں: اِنَّا نَحْنُ مَعَكُمْ مُقَاتِلُوْنَ " ہمیں جدھرے چلو ساتھ ہیں۔ ہمیں اس خدا کی قسم جس کا تو سچا رسول ہے۔ ہمارا ہادی ہے۔ اگر تو ہمیں حبش میں لے چلے اور وہاں دشمن سے لڑنے کا حکم دے۔ ہم ساتھ ہیں۔ لڑیں گے۔ اور ایسا لڑیں گے۔ کہ ہماری ثابت قدمی۔ راسخ الاعتقادی اور تیغ زنی کے جوہر آتی دنیا میں یاد رہیں گے۔

سعد بن معاذ انصار مدینہ کے سردار اُٹھے۔ حمد و تمجید اور کلام تمہید کے بعد عرض کی۔ یا رسول اللہ! ہم آپ پر ایمان لائے۔ اور سچا مان کر ایمان لائے۔ اللہ کی طرف سے جو تو پیغام لایا۔ سچ مانا۔ سچا مانتے ہیں اور سچا مانتے رہیں گے۔ اسی پر آپ سے بیعت کی۔ اسی عہد "سمعنا و اطعنا" پر وعدوں کی توثیق کی اور اس پر قائم ہیں اور قائم رہیں گے۔ اے اللہ کے رسول جس طرح اللہ کا فرمان ہے آپ حکم دیں۔ خدا کی قسم بحر مواج میں چھلانگنے کو اشارہ کریں۔ ہم منجدھار میں ہوں گے ایک آدمی بھی ہم میں سے پیچھے رہنے کا نہیں۔ میدان حرب میں ہمارا صبر و استقلال چمکے گا۔ دشمن سے ٹکر میں ہماری صداقت ظاہر ہو گی۔ ہماری جرأت اور عزم صمیم دیکھ کر حضورؐ کی آنکھیں ٹھنڈی اور دل میں سرور ہو گا۔ حکم کا انتظار ہے۔

اللہ کا فیصلہ

اب ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اس معاملہ میں کیا تھا۔ اور اللہ کیا

چاہتا ہے۔ اللہ نے سورۃ انفال میں پہلے ہی اطلاع دے دی تھی۔ وَاِذْ یَعِدُکُمُ اللّٰہُ۔ اس وقت کو یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے تم سے ان دو جماعتوں میں سے ایک کے متعلق وعدہ کیا تھا۔ کہ ایک جماعت تمہارے ہاتھ لگے گی اور تم غالب ہو گے۔ اور وہ مغلوب۔ تم چاہتے تھے کہ غیر مسلح جماعت یعنی قافلہ کا مال و اسباب لوٹ لو اور اللہ تعالیٰ کی مشیت اس میں تھی کہ اپنے احکام سے حق کا حق ہونا ثابت کر دے۔ اور کافروں کا استیصال ہو جائے۔

اور یہ روشن امر ہے۔ کہ جنگ بدر میں بارہ تیرہ سو مسلح نوجوانوں کے مقابل تین سو تیرہ غیر مسلح کا غالب رہنا جسمانی قوت کا کام نہ تھا۔ مسلمانوں کی روحانی قوت تھی یا ملائکہ لڑ رہے تھے۔ اور مسلمانوں کی یہ فتح کفار کی ابدی شکست کی پہلی کڑی تھی۔ مکہ کے تمام چوٹی کے سردار اسی بدر میں داخل فی النار ہوئے۔

میدان جنگ اور کفار میں بے چینی

قریش کی بے چینی ابھی ختم نہیں ہوتی۔ آخر دم تک موت کے خواب میں بھی تڑپاتے رہتے۔ میدان بدر میں خیمے لگائے ہیں۔ دوسرے یا تیسرے دن سویرے ایمان والوں سے سامنا ہے۔ جہیم بن صلت نے جونہی بستر خواب پر سر رکھا۔ بڑبڑاتا ہوا وحشت زدہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ ساتھیوں سے پوچھنے لگا۔ وہ سوار کہاں چل دیا۔ جو ابھی میرے سرہانے کھڑا تھا۔ تم میں سے کسی نے دیکھا وہ کدھر گیا۔ وہ حیران تھے۔ کیا کہتا ہے۔ سب نے کہا۔ کیسا سوار؟ کیسا سوار کہاں سے آیا۔ کوئی سوار ہو تو ہم دیکھتے۔ جہیم بڑبڑایا۔ کہا نہیں نہیں ابھی سوار میرے پاس کھڑا تھا۔ مجھ سے باتیں کیں۔ یہ بھی کہا۔ ابوجہل مارا گیا۔ عتبہ۔ شیبہ اور زمعہ کو پکڑ کر موت کے گھاٹ اتار دو۔ پکڑو پکڑو ابوالبختری اور امیہ بن خلف جانے نہ پائیں۔ وہ قتل ہوئے۔ فلاں فلاں لئیم کو بھی قتل کر دو۔ اور یہ بھی کہا۔ سہیل بن عمرو اور دوسرے فلاں فلاں گرفتار ہو گئے۔ جہیم بن صلت کہتا ہے۔ اسی سوار نے اپنی سانڈنی لسبل زنیم مذبوح(؟)

خیموں کی طرف دوڑا دی۔ سکان خیمہ جات میں سے ایک بھی نہ بچا جس پر سانڈنی کے خون کے چھینٹے نہ پڑے ہوں۔ قریش ہنس ہنس کر اس کی باتیں سنتے تمسخر اڑاتے رہے آخر کہا شیطان نے تمہیں خوب اُلو بنایا تم سے کھیل کیا۔ جو لوگ ان میں سے کچھ عقل و فکر رکھتے تھے۔ وہ تو اپنی موت یقینی جان کر خواب کی تعبیر میں ششدر رہ گئے۔ پریشان تھے کہ انجام اچھا نہیں۔

بنی عدّی کا وہاں سے لوٹ آنا

ابو جہل نے عاتکہ کے خواب کی طرح اس کی بھی تکذیب کی۔ جہم بن صلت کو جھٹلایا۔ اور کہا۔ تم بھی بنی عبدالمطلب اور بنی ہاشم کی طرح جھوٹے ہو۔ کل دُور نہیں سب دیکھ لیں گے ہم قتل کرتے ہیں یا قتل ہوتے ہیں۔ عسکریوں کے لئے دس نوعمر بوتے ذبح کئے۔ دسواں اُونٹ نیم جانی کی حالت میں جوں ہی بے قابو ہو کر دَوڑا۔ تمام خیموں کے گرد چکر کاٹتا دوڑتا ہوا گر کر ختم ہو گیا۔ سب خیمے خون کی چھینٹوں سے رنگ گئے۔ بنو عدّی نے جب یہ نقشہ اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ انہوں نے اسے جہم بن صلت کے خواب کی صحیح تعبیر خیال کرتے ہوئے خیمے اٹھائے اور واپس لوٹ آئے۔

میدانِ بدر میں

قریش بدر میں خیمے لگائے ہوئے ہیں طرفین ایک دوسرے کی قوت کا جاسوسوں کے ذریعہ جائزہ لے رہے ہیں۔ قریش نے عمیر بن وہب کو عساکر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم میں تجسّس کے لئے مقرر کیا۔ تاکہ وہ پوشیدہ طور پہ جا کر جنگی قوت اور اسلحہ کا اندازہ لگائے۔ ان کے خیالات و حالات سے اطلاع لائے۔ سارے لشکر میں سے پھر کر جب واپس آیا۔ عمیر نے بتایا یہ تعداد میں سہ صد سے چند نفر کم و بیش ہوں گے۔ کوئی خاص سامان اسلحہ کی قسم سے میری نظر میں نہیں آیا۔ ایک بات ہے کہ جس سے میرا دل دہلتا ہے۔ اس کے تخیل سے جسم پر لرزہ

کھیا جاتا ہے۔ رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس کا تصور دل کے آئینہ پر جب اپنا عکس ڈالتا ہے پسینہ چھوٹ جاتا ہے۔ زمین تلووں سے نکل جاتی ہے۔ کچھ سجھے بلائیں نظر آتی ہیں۔ یوں دکھائی دیتا ہے کہ یہ لوگ موتوں کی گٹھڑیاں سر پہ اٹھائے ہیں۔ زبان میں سکوت ہے۔ اژدہا کی مانند زبانیں منہ سے نکالتے اور پیچھے کھینچتے ہیں۔ ارادہ کرکے آئے ہیں کہ واپس گھر اہل وعیال کے پاس جانا ہی نہیں۔ ان کی تلواریں ان کے لئے حفاظتی قلعے ہیں۔ ایسی خطرناک قوم ہے کہ ہم اپنے کئی آدمی قتل کرانے کے بعد ان میں سے ایک قتل کر سکتے ہیں۔ اگر ان کی گنتی بھی ہمارے برابر ہوتی۔ پھر ہماری زلیست حیات کے لئے پناہ نہ تھی۔ لوگو اے میری قوم میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں۔ ان نورانی چمکتے دمکتے چہرہ والوں سے بچو اور یہاں سے بھاگ نکلو ورنہ خیر نہیں۔

جب حکیم بن حزام نے یہ بات سُنی۔ عتبہ بن ربیعہ رئیس قوم کے پاس آیا اور کہا۔ ابا ولید تو قوم قریش کا سردار اور ذی جاہ و باعزت بزرگ ہے۔ تیری بات مانی جاتی ہے۔ کوئی ایسا کام کر کہ باقی دُنیا تک تیرا نام اور یاد باقی رہے۔

عتبہ نے پُوچھا حکیم تم ہی بتاؤ میں کیا کر سکتا ہوں۔

حکیم نے کہا موجودہ جنگ کا زیادہ محرک عمرو بن حضرمی کا خُون ہے۔ اور عمرو بن حضرمی تمہارا حلیف تھا۔ اگر تو یہ منظور کرے کہ اس خون کا بدل محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) سے طلب نہ کیا جائے۔ کہو میں ادا کرتا ہوں۔ اور معاملہ ختم کرو۔ اس طریق سے قوم موت کی تاریک گھاٹی سے بچ سکتی ہے۔ قوم میں آپ کا نام رہ جائے گا۔

عتبہ نے کہا۔ ہاں میں تسلیم کرتا ہوں۔ حضرمی میرا حلیف تھا۔ اس کا دین اور بدل دم وغیرہ شرائط مصالحت کے مطابق میں ادا کروں گا۔

عتبہ نے یہ کہا اور اپنے سُرخ رنگ اُونٹ پر سوار ہو کر جنگ پر آمادہ صفوں میں چکر کاٹتا اور صفوں کو چیرتا پھاڑتا ہوا پکار پکار کر منادی کر رہا ہے میری قوم میری بات سنو اور مانو تمہارا مطالبہ صرف حضرمی کا خون تھا۔ وہ میں اپنے ذمہ

لیتا ہوں۔ تم جنگ چھوڑ دو۔ یہاں سے لوٹ چلیں۔

ہادیٔ انسانیت سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم نے جب عتبہ کو قوم قریش میں منادی کرتے اور سمجھاتے دیکھا۔ اُونٹ پر سوار ہوئے۔ بلند آواز سے پکارا۔ لوگو! اگر قوم میں کوئی اچھا آدمی ہے تو اس سُرخ اُونٹ والے کا کہا سنو اور مانو۔ یہی بہتر ہے۔ جنگ سے باز آجاؤ۔ فتنہ و فساد کی آگ کو حلم و شکیب کے پانی سے بجھاؤ۔ مصلحت اسی میں ہے۔

عتبہ کی بات مؤثر نہ ہوئی۔ حکیم کے پاس واپس آیا۔ اُسے کہا۔ تو ابن حنظلیہ (کنیت ابوجہل) کے پاس جا اور میرا پیغام پہنچا کر اُسے سمجھا۔ حکیم پہنچا۔ وُہ زرہ نکال کر تیاری کر رہا تھا۔ تاکہ سامان حرب سے لیس ہو کر میدانِ جنگ میں آئے۔ حکیم نے کہا۔ میں عتبہ کے پاس سے پیغام لایا ہوں۔ حضرمی کا خُون اس نے اپنے ذمہ لے لیا۔ چاہتا ہے۔ قوم تباہ نہ ہو۔ جنگ ختم ہو جائے۔ ابوجہل بولا۔ اسے سحر کھا گیا۔ وُہ بزدل ہے۔ اس نے یہ تجویز اس لئے سوچی کہ اس کا بیٹا ابوحذیفہ قتل نہ ہو۔ چونکہ ابوحذیفہ اسلام قبول کر کے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے ساتھیوں میں ہمارے مقابل میں آیا ہُوا ہے۔ اسے اس کی موت کا فکر ہے۔ وُہ اسے بچانا چاہتا ہے۔

ابوجہل عتبہ کا پیغام سُن کر زیادہ بھڑکا۔ عامر بن حضرمی کے پاس پیغام بھیجا۔ کہ عتبہ بن ربیعہ تمہارا حلیف تیرے بھائی کا خون رائیگاں کرنا چاہتا ہے۔ لوگوں کو بیدل کر کے جنگ ختم کرانا چاہتا ہے۔ تم جلدی کرو۔ عامر اُٹھا۔ اپنی قمیض پھاڑ لی۔ سر میں مٹی ڈالتا ہُوا ہائے عمرو! ہائے عمرو چیختا چلاتا میدان جنگ میں کود پڑا۔ اور جنگ طرفین سے شروع ہو گئی۔

مُسلمان میدانِ مبازرت میں

کفار نابہنجار کی موت کے ڈر سے بے قراری اور اضطراب سُن لیا۔ مُسلمانوں کے جذبۂ عقیدت اور اذعان علی اللہ کا ذکر کچھ پہلے ہوُا۔ میدانِ جنگ بلکہ عین جنگ میں

ان کی جرأت اسلام اور ایمان کی سچی داستان ہے۔ وُہ بھی سُن کر کانوں کے راستہ دل میں محفوظ کرو۔ اور تم بھی وہی ایمان کرو۔ "بزرگی بعقل است نہ بسال"۔

صحیح مسلم میں عبدالرحمٰن بن عوف سے روایت ہے۔ بدر کے دن صفوفِ حرب و قتال میں ہم جنگ کے لئے تیار کھڑے تھے۔ دائیں پہلو دیکھا۔ پھر بائیں جانب دیکھا۔ دو حدیث السن نوجوان جو ابھی منازلِ طفولیت میں سے گذر رہے ہیں۔ مجھے دائیں بائیں چھپتے ہوئے نظر آئے۔ پہلے ایک نے اشارتاً اپنے ساتھی سے نظر بچا کر مجھ سے پوچھا۔ عمو جان! آپ ابوجہل بن ہشام کو پہچانتے ہیں۔ میں نے کہا ہاں۔ لیکن تجھے اس سے کیا سروکار۔ کہا میں نے سُنا ہے۔ وُہ بدبخت ہمارے آقائے نامدار سرورِ دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو گالی دیا کرتا تھا۔ مجھے اس ذاتِ کبریا کی قسم جس کے دستِ قدرت میں تمام کائنات اور میری جان ہے اگر دیکھ پاؤں۔ اُسے موت کے گھاٹ اتار دوں۔ دوسرے نے بھی مجھ سے ایسے ہی پوشیدہ طور پر پوچھا۔ وُہ بھی یہی چاہتا تھا۔ کہ اس کے ساتھی کو خبر نہ ہونے پائے۔ اور میں خود اس موذی کے جہنم رسید کرنے میں سبقت لے جاؤں۔

مجھے ان کے جذبۂ شوقِ انتقام اور ایک دوسرے سے اخفائے راز پر تعجب ہؤا۔ میں نے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی۔ ابوجہل کو دیکھا۔ صفوں میں بھاگا پھر رہا ہے۔ دونوں پروانۂ الفت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو اشارہ کیا۔ کہ تمہارا مطلوب وُہ شکار ہے۔ غور سے دیکھ لو۔ میں ابھی دکھا ہی رہا تھا کہ بھوکے شیر کی طرح اپنے صید پر حملہ آور ہونے کی مانند برق کی طرح اس پر لپکے اور ضرباتِ سیوف سے نیم مذبوح اور نڈھال کر دیا۔ ابن مسعود امداد کو دوڑے اور سسکتی جان کو تمام کیا۔ یہ مسلمان بچوں کے جذبات تھے۔ فقس علیہ باقی۔

اعادہ ماقبل

(۱) ابوجہل نے رؤیاء عاتکہ بنت عبدالمطلب سن کر نہ مانا۔ اور عباسؓ پر پھبتی اڑائی۔

(۲) جہم بن صلت کے خواب سے اسے عبرت نہ ہوئی۔
(۳) قرعہ اندازوں کی بدفالی دیکھ کر بھی متنبہ نہ ہوا بلکہ ان کو بھی جنگ میں شامل کرکے لے ڈوبا۔
(۴) سارے ساتھیوں نے مکہ سے نہ نکلنے کا مشورہ دیا۔ ابوجہل نہ مانا۔
(۵) راستہ میں ابوسفیان کا پیغام سُن کر بنوزہرہ چھوڑ کر چلے آئے۔ اُسے بھی قوم نے کہا۔ ایک نہ سُنی۔
(۶) بنوعدی ابن صلت کا خواب سُن کر چلے آئے۔ مگر یہ بدبخت ضد پہ اڑا رہا۔
(۷) امیتہ بن خلف نے سعد بن معاذ کا کلام سُن کر قسم کھائی تھی کہ جنگ میں نہ جائے گا۔ اسے عار دلا کر کس نے مجبور کیا "ابوجہل نے"
(۸) ابولہب نے عاتکہ کے خواب کی تعبیر سچی مانتے ہوئے اپنا عوض دیا خود جنگ میں شامل نہ ہوا۔ اسے اس وقت بھی احساس نہ ہوا۔
(۹) عتبہ نے حکیم بن حزام کے مشورہ پر قوم میں اُونٹ پر سوار ہو کر اعلان کیا کہ حضرمی کا دم میرے ذمہ رہا۔ جنگ چھوڑ دو۔ لیکن ابوجہل نہ مانا۔
(۱۰) عمیر بن وہب کے جاسوسی کے بعد قوم میں اعلان کیا کہ میں اژدہا اور بلائیں دیکھ آیا ہوں۔ یہاں سے چلے جانے میں سلامتی ہے۔ ایک نہ سُنی۔

تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ۔ کیا ان واقعات سے انکار کے بعد بھی ابوالحکم بن ہشام کی کنیت ابوجہل تجویز کرنے والا خاطی ہو سکتا ہے۔ یا اسے ابوجہل کہنے میں کچھ تامل کی گنجائش ہے۔ نہیں نہیں اس نے اپنی قوم کو ناچار و کرہاً جنگ کی شعلہ باریوں میں جھونک کر تباہ کر دیا۔ وہ کب ابوالحکم کی کنیت کا مستحق ہو سکتا ہے۔ وہ ضدی تھا۔ عتید و عنید تھا۔ شیطان اس کے سر پر سوار تھا۔
اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ" اس ضعف اور ذلتِ نفوس کے ہوتے ہوئے روحانیت کے علمبردار صابرین و صادقین فی سبیل اللہ سے ٹکر لے لی۔ اور دو چھوکروں کے ہاتھوں قتل ہو کر دائمی ذلت سے داخلِ جہنم ہوا۔

اللہ نے اپنے رسولؐ کو عالمِ بالا سے جنود ملائکہ بھیج کر فتح و نصرت نصیب کی۔
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَسَلِّمْ۔

جنگِ بدر

وجوہاتِ جنگِ بدر اور باطل پرستوں کے اضطراب اور ان کی تلملاہٹ کے مقابلہ میں اہلِ ایمان حق پرستوں کا اطمینان و یقین بیان ہو چکا ہے۔ مکّہ سے جب مشرکین نکلے۔ ایک آدمی بھی قابلِ جنگ پیچھے نہ رہنے دیا۔ یہ قصد دل میں رکھتے تھے کہ ابوسفیان کے قافلہ کو مسلمانوں کے ہاتھ سے بچا کر ان سے فیصلہ کن جنگ کریں گے۔ محمّد صلے اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے رفیق جو بدر میں پہنچے تین سو تیرہ کی گنتی میں تھے۔ کفّار ایک کے مقابل تین سے بھی زیادہ تھے۔ دونوں جماعتیں ابھی راستہ ہی میں تھیں کہ ابوسفیان کا پیغام پہنچا کہ قافلہ مقامِ خطرہ سے نکل چکا ہے۔ اگر ابوجہل کی جہالت مانع نہ ہوتی اور کفّار ابوسفیان کی ھدایت کے مطابق واپس چلے جاتے۔ مسلمانوں کو بھی آگے بڑھنے کی ضرورت نہ تھی۔ مگر فرار کی عار کا داغ کلنگ کا ٹیکا سمجھتے تھے۔ عزّت و کبر کا غرور اندھا کئے ہوئے تھا۔ واپس نہ ہوئے۔

مسلمان بھی روانگی کے وقت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی مشاورت کے بعد مادی مفاد سے حرص و طمع ترک کر کے ابوسفیان کے قافلہ کا تعاقب ترک کر چکے تھے۔ اب صرف یہی خیال لئے آگے بڑھے کہ اگر مکّی خواہ مخواہ لڑنا چاہیں۔ تو دفاعی طور پر مقابلہ کریں گے۔

مسلمان جب مقام بدر پر پہنچے۔ کافر پہلے پانی کی جگہ دیکھ کر اچھے موقعہ پر قبضہ جما چکے تھے۔ انہوں نے بھی ارشاد نبویؐ سے اشارہ پا کر حسب پسند ایک جگہ ڈیرے لگانے شروع کئے۔ حباب بن منذر نے حاضر ہو کر درگاہِ رسالت مآب میں عرض کی۔ یا رسول اللہ! یہ جگہ آپؐ نے وحی کے اشارہ سے پسند فرمائی ہے یا حضور کی ذاتی رائے میں یہ موقف اچھا ہے۔ سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

یہ تو میرا ذاتی خیال ہے. عرض کی۔ اگر وحی کا فرمان ہوتا. تو پھر ہمیں ایک انچ بھی وہاں سے بڑھنے کی گنجائش نہ تھی۔ اب میری رائے ہے کہ یہاں سے کچھ آگے بڑھ کر فلاں مقام پر پانی کے لئے ایک حوض بنالیں. پانی وہاں جمع ہوگا. ہمیں ہر صورت مفید ہوگا. حضورؐ نے پسند فرمایا. قوم نے تائید کی۔ ایسا ہی کیا گیا۔ اور جگہ تبدیل کر لی گئی۔

اب سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم نے بطور مشاورت آئندہ کا دستور العمل تجویز کرنے کے لئے سب کو ایک جگہ اکٹھا کیا۔ اور سب سے آزادانہ رائے پیش کرنے کو فرمایا۔ سعد بن معاذ نے کھڑے ہوکر عرض کی۔ یارسول اللہ! ہم آپؐ کے لئے میدان جنگ کے ایک کنارے پر عریشہ (چھپر) تیار کرتے ہیں۔ جہاں آپؐ آرام فرمائیں۔ سواری آپ کی خدمت میں زین وساز لگے موجود رہے گی۔ آپؐ کی حفاظت کو خادم موجود ہوں گے۔ جنگ کے دونوں پہلو ابھی پردہ میں ہیں۔ اگر اللہ نے ہمیں غلبہ دیا اور کامیاب رہے اس سے کیا بہتر۔ فھو المراد۔ یہی ہمارے دل کی خواہش ہے اگر خدانخواستہ دوسری بات (نامرادی) کا منہ دیکھنا پڑا۔ تو آپ رکاب میں پاؤں ڈال چلتے بنیں۔ پیچھے قوم موجود ہے۔ ان سے جا ملیں۔ وہ لوگ آپ پر جانیں نثار کرنے کو حاضر ہیں۔ ہماری محبت اور قربانی آپ پر ان سے زیادہ نہیں ہے۔ جب انہیں یہ معلوم ہوگا کہ آپ پھر دشمن سے لڑنا چاہتے ہیں۔ وہ پیچھے نہ ہٹیں گے۔ جہاد میں آپ کے شریک ہوں گے۔ ہم یہاں جانوں کی قربانی دیئے بغیر میدان نہ چھوڑیں گے۔

یہاں وَسْوَاسِ الْخَنَّاس کے شر سے بچنے کو یہ کہنا بھی ضروری ہے۔ شیطان دورانِ خون میں نفوذ کرکے دل میں یہ وسوسہ ڈالتا ہے۔ کہ جب سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کو ربّ العزت نے پہلے اطلاع دے دی ہے۔

اِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ

اَلْحَقَّ بِکَلِمَاتِہٖ وَیَقْطَعَ دَابِرَ الْکَافِرِیْنَ " (سورۃ انفال پہلا رکوع)
پھر اب مشورہ کی کیا ضرورت ہے۔

یاد رہے مشورہ استفادی نہ تھا افادی تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ کی بنیاد رکھی۔ اور مسلمانوں کو مشورہ کی تعلیم دی۔ شوریٰ سے مسؤلیت کے لئے متنبہ کرنا ہوتا ہے۔ چونکہ مستشار مسئول عنہ ہوتا۔ اس سے مسئول عنہ کو اپنی ذمہ داری کا احساس کرنا پڑتا ہے۔ وہ کام کے سرانجام دینے میں صدق دل اور خلوص سے پوری ذمہ داری کے ساتھ جدوجہد کرتا ہے۔ صبر و استقلال سے کام لیتا ہے۔ جتنی بھی صعوبات و مشکلات سامنے آئیں ان کے عبور کرنے میں پوری قوت کو استعمال میں لاتا ہے۔ آخرالامر فطرت کا قانون یہی ہے۔ کہ نصرت وظفر اس کے قدموں میں سر رکھ دیتی ہے۔ کامیابی پر وثوق اور حزم و جزم رکھنے والا ضرور کامیاب ہوتا ہے۔

اب فریقین صفیں قائم کر چکے ہیں۔ لڑائی کا آغاز ابھی نہیں ہوا۔ صفوف قریش میں سے ایک شخص اسود بن عبدالاسد مخزومی پانی کا حوض توڑنے کے لئے آگے بڑھتا ہے۔ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ۔ عم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کی صفوں سے نکل کر جھپٹے۔ تلوار کا پہلا وار پنڈلیوں پر کر کے گرا دیا۔ اعانت کو دوسرا آدمی بڑھا اس نے سر اڑا دیا۔ قریش آنکھوں کے سامنے اسد مخزومی کو خون میں لت پت تڑپتا دیکھ رہے ہیں۔ مگر ایسے ساکت و خاموش ہیں۔ گویا سانپ سونگھ گیا۔

تھوڑے سکوت کے بعد عتبہ اور شیبہ پسران ربیعہ حقیقی بھائی اور ولید بن عتبہ میدان میں نکلے اور شیر کی طرح دہاڑنے لگے۔ پکار رہے ہیں۔ مسلمانو! ہمارے مقابلے میں نکلو۔ کوئی آگے بڑھو۔ ساتھ ہی شرط ہے کہ اے محمد ہم مدنی لوگوں سے لڑنا نہیں چاہتے۔ وہ ہمارے پلّے کے نہیں۔ تم میں سے کوئی قریشی ہماری اپنی قوم کا میدان میں ہمارے سامنے آئے۔ مبازرت کا لطف تب ہی ہوگا کہ کوئی آدمی ہماری قوم اور کفو سے میدان میں نکلے تاکہ ہماری ذلت نہ ہو۔

مہاجرین کو یہ آواز سرور فزا سرود کی میٹھی تان کی طرح سنائی دی۔ ہر ایک کا جی چاہا کہ میں آگے بڑھوں۔ عتبہ کا حقیقی بیٹا حذیفہ جو صفوف اہل اسلام میں آب کوثر کا مشتاق اسی انتظار میں ہے۔ عرض کرتا ہے یا رسولؐ اللہ! مجھے اجازت ہو کہ باپ چچا اور بھائی ان تینوں سے میں نپٹ لوں۔ مگر رأفت نبویؐ نے گوارا نہ کیا کہ بیٹے کے ہاتھوں باپ کو قتل کرائے۔ اجازت نہ ہوئی۔ مہاجرین میں سے ہر ایک اس انتظار میں تھا۔ کہ مجھے اشارہ ہو تو آگے بڑھوں۔ سید الشہداء سیدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب اور عبیدہ بن حارث میدان میں کود پڑے۔ حمزہؓ اور علیؓ نے شیبہ اور ولید کو علی الترتیب پکڑ کر قتل کر دیا۔ عبیدہ نے عتبہ کو گرا لیا۔ گتھم گتھا ہو رہے تھے کہ علیؓ اور حمزہؓ امداد کو پہنچ گئے۔ اسے بھی جہنم کے راستے لگا دیا۔

اب کیا تھا دونوں جماعتیں ایک دوسرے پر پل پڑیں۔ بڑی گھمسان کی لڑائی شروع ہو گئی۔ فریقین جوش و خروش میں گاجر مولی کی طرح کٹ رہے ہیں۔ قریش کثرت تعداد پر غرور میں ہیں۔ مسلمان عدد کی قلت و کثرت کو نہیں دیکھتا۔ اس کی نظر کثرت و قلت کے مالک آسمان والے کی طرف لگی ہوئی ہے۔ اور اپنی روحانی قوت کے بل بوتے پر بڑھ چڑھ کر حملے کر رہا ہے۔

سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم مسلمانوں میں تحریض و تحریک پیدا کر رہے ہیں۔ بلند آواز سے فرما رہے ہیں۔ مسلمانو! مجھے اس خداوند کریم کی قسم جس کے قبضہ میں محمدؐ کی جان ہے۔ آج جو اس میدان میں قتل کرے گا۔ یا شہید ہو گا۔ آگے بڑھے گا۔ پیچھے منہ نہیں موڑے گا۔ اللہ کی قسم میرا رب اسے جنت کی نعمتوں سے مالا مال کرے گا۔

ادھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تائید میں فوراً جبرائیل علیہ السلام پیغام لے کر پہنچ جاتے ہیں۔

یَآ اَیُّهَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَى الْقِتَالِ اِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ

عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِائَةٌ يَّغْلِبُوْا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ (پ ۱۰ سورۃ انفال) اے محمد مسلمانوں کو جنگ کے لئے اُبھارو اور انہیں بتا دو کہ ان کی کثرت تمہارا کچھ بگاڑ نہیں سکتی۔ وہ تم سے تین گنا ضرور ہیں۔ مگر میرا قانون یہ ہے کہ تم میں سے بیس مؤمنین دو صد کافروں پر غالب ہوں گے۔ اور یک صد پختہ ایمان مسلمان، ہزار کافر کے لئے کافی ہے۔ تم تو دس گنا کا مقابلہ کر سکتے ہو۔ ان کے ہزار کے لئے تمہارا یک صد آدمی کافی تھا۔ اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ حق اور باطل برابر کا تول رہیں یہ میرے میزانِ عدل کے خلاف ہے۔ اور عقل کے بھی خلاف ہے۔ کافر مسلمانوں کی برابری نہیں کر سکتا۔ اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ (انفال پ ۹) اسی وقت کو یاد کرو۔ جبکہ آپ کا ربّ ان فرشتوں کو حکم دیتا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں یعنی مددگار ہوں۔ تم جاؤ اور ایمان والوں کی ہمّت بڑھاؤ۔ میں ابھی کفّار کے قلوب میں رُعب ڈالے دیتا ہوں۔ تم کفّار کی گردنیں توڑ دو اُن کے پور پور کے ٹکڑے ٹکڑے کر دو۔ یہ انہیں اس امر کی سزا ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی۔ میرا قانون ہے کہ جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے اللہ تعالےٰ اس کو سخت سزا دیتا ہے۔

ادھر اللہ کا رسول سجدہ میں پڑا دُعا مانگ رہا ہے۔ مجاھدین بھی لڑ رہے ہیں استغاثہ اور فریاد بھی بارگاہِ ایزدی میں جاری ہے۔ وہاں قبولیّت میں دیر نہیں۔ اللہ نے کہا: فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ "میرے رسول اپنے رفیقوں کو تسلّی دے دو۔ میرا ایک ہزار کا آسمانی لشکر یکے بعد دیگرے متواتر امداد کو آ رہا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکریوں کی ایک مٹھی دشمن کے لشکر کی طرف پھینکی۔ جس کے ریزے ان کی آنکھوں میں جا گرے۔ وہ دیکھ نہ سکتے تھے کہ ان کی تلوار اپنوں کو کاٹ رہے تھے۔ اس طرح جو قتل ہوئے وہ مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل تھا۔ اللہ نے ان کو قتل کیا۔ اللہ فرماتا ہے "فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى" انفال ۱۷-

مسلمانوں میں روحانی طاقت

جنود اللہ (ملائکہ) کی امداد۔ اللہ کی اعانت۔ پھر کیا تھا ایمان والوں کو ثبات قدم نصیب ہوا۔ بصیرت روشن ہوئی۔ برأی العین اپنی شہادت میں جنت دیکھنے لگے۔ سرعت برق سے تیز تر بڑھ بڑھ کر اعداء پر جھپٹ رہے ہیں۔ تلوار کیا ہے۔ تیز درانتی ہے جو خشک گھاس کی طرح کاٹ کاٹ کر سروں کو تن سے جدا کر کے ڈھیر لگا رہی ہے۔ کفار پور پور کٹ رہے ہیں۔ قتل و ریش میں ذرا تکان و ماندگی رونما ہوئی ادھر فیضان الٰہی سے نئی قوت کی لہر رگ رگ میں نفوذ کر گئی۔ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ شیر خدا علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ خصوصاً اور تمام مجاہدینِ دین فی سبیل اللہ عموماً ذوقِ شہادت اور اشتیاق جنت میں ایسے محظوظ ہوئے کہ قتل و جدال میں منہمک ہو کر اپنے آپ کو بھول بیٹھے۔ موقع کو غنیمت جانا۔ ایسے دھواں دھار حملے کئے کہ دشمن نے بھاگے بغیر چارہ نہ پایا۔

مطلع صاف ہوا۔ دشمن سحاب رفتاری سے میدانِ جنگ چھوڑ کر بھاگ گیا۔ قریش میں سے ستر لاشیں میدان میں کٹی گئیں۔ جن میں سے اکثر رؤسائے قوم و سادات قریش کی تھی۔ اور اتنے ہی گرفتار ہو کر قید ہوئے۔

مسلمانوں میں صرف بارہ شہید ہوئے۔ گرفتاری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بھاگتا دشمن سارا سامان بھی میدان میں چھوڑ کر جان بچا کر نکلا۔ تھوڑی دور تعاقب کر کے بھگا دیا گیا۔ بعض مورخین نے صرف آٹھ شہید بیان کئے ہیں

پانچ مہاجر ایک انصار ایک ایک قبیلہ اوس و خزرج سے۔ مشرکین پیٹھ دے کر بھاگ جانے کے بعد معلّم انسانیت استاد حکمت سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم اور جان نثار پروانے میدان میں باقی رہ گئے۔ جنہوں نے ایک گڑھا کھود کر مشرکین مکہ کی لاشیں اس میں ڈالیں اور مٹی سے ڈھانپا۔

جب رات چھا گئی۔ سُنا گیا کہ سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم گڑھے کے کنارے کھڑے فرما رہے ہیں۔ یا عتبہ یا شیبہ او امیہ بن خلف او ابوجہل یا فلاں فلاں هَل وَجَدتم مَّا وَعَدَكُمْ رَبِّيْ حَقًّا فَاِنِّيْ وَجَدْتُّ مَا وَعَدَنِيْ رَبِّيْ حَقًّا۔ میرے ساتھ تو میرے رب کا وعدہ جو اس نے مجھ سے کیا تھا پورا ہوا۔ تم بتاؤ جو تمہارے ساتھ وعدہ تھا وہ پورا ہوا یا نہیں" اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ" اللہ کا وعدہ کبھی غلط نہیں ہوا۔

مسلمانوں نے عرض کی۔ یا نبی اللہ! آپ ان لوگوں سے خطاب فرما رہے ہیں جو مردار ہو چکے ہیں۔ وہ کیونکر سُن سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ ما انتم باسمع لما اقول منهم ولكنهم لا يستطيعون ان يجيبوني" تم میری بات کو ان سے زیادہ نہیں سُن رہے۔ لیکن ان کو جواب دینے کی قدرت نہیں دی گئی۔ جواب نہیں دے سکتے۔

خبر فتح و شکست

مخبر صادق صلے اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت عبداللہ بن رواحہ اور زید بن حارثہ کو فتح و ظفر کی بشارت کے ساتھ مدینہ منورہ میں بھیجا تاکہ وہاں جاکر عام خبر دے دیں۔ کہ ہم فضل ایزدی سے کامران و کامیاب ہوئے۔ مسلمانوں کو سرور و فرحت ہو۔ مسلمان سُن کر خوشی سے جامہ میں پھولے نہ سمائے۔ اور سجدۂ شکر بجا لائے مگر یہود و مشرک خبر ظفر میں شک کرنے لگے۔ یہاں تک کہ بعض تو مسلمانوں کی شکست اور خاکم بدہن نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی موت کا یقین کر چکے تھے۔ دُوسرے

دن سویرے اہلِ ایمان فاتح منظفر محبوب کبریا کی معیت میں مالِ غنیمت اور مشرکین قیدیوں کو لئے مدینہ میں داخل ہو گئے۔

دوسری جانب عبداللہ خزاعی کفار کی خبر ہزیمت لے کر مکہ پہنچا۔ جب قریش کے فرار اور سادات و رؤسا کے قتل و اسارت کی خبر اہل مکہ نے سُنی۔ ہرگز نہ مانے اور شک میں پڑ گئے۔ شک کیوں نہ کرتے۔ عقل تسلیم نہ کرتی تھی۔ ایک بھوکا تین پُرشکم ہٹے کٹوں پر کیسے غالب آسکتا ہے۔ کفار ایک کے تین یعنی تین سو تیرہ کے مقابلہ میں ہزار ہیں اور پھر سامان سے مسلح ہیں۔ شک کہاں تک کرتے۔ دوسرے ہی دن وُہ بھی خاسرین الدنیا والآخرہ خائب و خاسر ذلت سے شکست خوردہ مکہ میں آداخل ہوئے۔ اب گھر گھر آہ و بکا ہے۔

بعدِ فتح بعض واقعات

(۱) جنگ میں بعض سے درگذر۔ جنگ سے پہلے سرورِ کائنات نے حکم دے دیا تھا کہ بنی ہاشم میں سے اکثر کو اور بعض دیگر فلاں فلاں قریش کو میدان حرب میں قتل نہ کرنا۔ اگر سامنا ہو بھی جائے۔ تو چشم پوشی کر لینا۔

(۲) ابو حذیفہ۔ آپ نے حذیفہ بن عتبہ سے پُوچھا۔ تجھے باپ کے قتل ہونے پر قلب میں کچھ خلش تو نہیں ہوئی۔ عرض کی۔ یا رسول اللہ۔ خدا کی قسم ہرگز نہیں اتنا ضرور ہے کہ مجھے اپنے والد میں عقل و فکر اور حلم و فضل دکھائی دیتا تھا۔ میں سمجھتا تھا اور میری خواہش و توقع تھی کہ کسی وقت اسلام قبول کر لے گا۔ اب جب دیکھتا ہوں کہ وُہ اس دانش و فہم کے باوجود کفر کی موت مرا اس کی یہ موت مجھے رنجیدہ کرتی ہے۔

(۳) غنیمت پر اختلاف۔ مال غنیمت کے متعلق ایک جماعت نے کہا۔ یہ مال ہم نے جمع کیا ہے۔ سارا ہمارا ہے۔ جو دشمن کے تعاقب میں اسے بھگا رہے تھے۔ وہ کہنے لگے یہ تو ہمارا حق ہے۔

محافظان عریش النبی صلعم کہتے ۔ ہمیں ملنا چاہیئے۔ خلق عظیم کے مالک نے فرمایا۔ نہیں رہنے دو۔ اللہ کی طرف سے اس کا ضرور فیصلہ آئے گا۔ جو حکم ہوگا اس پر عمل کیا جائے گا۔

۱۴) نضر بن حارث بدترین دشمن اسلام پر واپسی کے وقت راستہ میں جونہی نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی نظر پڑی۔ غضب آلود نظر کو تاڑ گیا۔ بدن پر لرزہ چھا گیا۔ خوف سے تھرتھرانے لگا۔ اور مصعب بن عمیر صحابی سے گفتگو شروع کی۔

نضر:۔ مصعب اپنے آقا سے کہو وہ مجھے اپنے ساتھیوں (صحابہ) میں سمجھ لیوے۔ خدا کی قسم اگر میں ایسا نہ کروں۔ قتل کر دیا جاؤں گا۔

مصعب:۔ تو بھول گیا۔ اللہ کے کلام پاک قرآن کے متعلق تو کیا کیا ہرزہ سرائی کرتا تھا۔ اللہ کے رسول پر کس قدر زبان دراز تھا۔ سرور کائنات کے صحابہ کو جو تو نے تکالیف دیں وہ تعذیب و تألیم یاد نہیں ہے۔ میں کیسے سفارش کر سکتا ہوں۔

نضر:۔ اگر تجھے قریش گرفتار کر لیتے اور میں زندہ ہوتا۔ خدا کی قسم تجھے قتل نہ ہونے دیتا۔

مصعب:۔ اللہ کی قسم تو جھوٹ بول رہا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ "میں" "تو" نہیں ہوں نہ تیرے جیسا ہوں۔ اسلام نے تمام عہود کفر ختم کر دیئے ہیں۔

نضر کو مقداد رضی اللہ عنہ نے گرفتار کیا تھا۔ نضر سرمایہ دار تھا۔ مقداد کے خیال میں تھا۔ کہ اس کے فدیہ میں نضر کے وارثوں سے کافی روپیہ وصول ہوگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نضر کے قتل کا حکم راستہ ہی میں دے دیا۔ علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے تلوار کے ایک ہی وار سے سر دھڑ سے علیحدہ کر دیا۔ اور مقداد کے متعلق سچے نبیؐ نے دعا مانگی۔ "اَللّٰھُمَّ اَغْنِ الْمِقْدَادَ عَنْ فَضْلِکَ" خدایا مقداد کو اپنے رزق سے مالا کر دے۔

(۵) سودہ بنت زمعہ ام المؤمنین نبی کریمؐ کی زوجہ پاک ہیں۔ قیدیوں میں ابا یزید سہیل بن عمرو پر جونہی نظر پڑی، اسے دیکھ کر بے اختیار منہ سے نکلا۔ ابا یزید تمہیں شرم نہ آئی۔ جان بچانے کی خاطر اپنے آپ کو مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔ کریموں کی طرح موت قبول کر لیتے۔ میدان میں جان دے دیتے وُہ اچھا نہ تھا۔ سرورِ دو عالم نے سُنا۔ فرمایا۔

سودہ اسے تو اللہ اور اس کے رسول کے خلاف بھڑکاتی ہے۔ عرض کی یا رسول اللہ مجھے اس خداوند کریم کی قسم جس نے آپ کو سچا نبی بنا کر بھیجا۔ میری یہ غرض نہیں، میں نے جب اُسے دیکھا۔ اور جس حال میں دیکھا۔ میرا اپنے پر قابو اور اختیار نہ رہا۔ کہا جو کچھ کہا۔

(۶) مکرز بن حفص اسی سہیل بن عمرو کا فدیہ ادا کرنے کو رہائی کے لیئے آیا۔ عمرؓ خدمت میں موجود تھے۔ عرض کی۔ اللہ کے رسول! مجھے اجازت دو۔ سہیل کے سامنے کے دو دانت بھی اکھیڑ دُوں اور زبان کاٹ لوں۔ تاکہ پھر آپؐ کی بدگوئی کبھی نہ کر سکے۔ رؤف نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اسے مثلہ نہ کرو (کسی کے ناک کان۔ زبان وغیرہ کوئی اعضاء کاٹ لینا مثلہ کرنا کہلاتا ہے) ورنہ مجھے مثلہ کیا جائے گا۔ اگرچہ نبی ہوں۔

(۷) زینب بنت محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاوند ابوالعاص بن ربیع کی رہائی کا فدیہ اپنا طلائی ہار جو اسے ماں خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے جہیز میں دیا تھا۔ پیش کیا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم رؤف رحیم وُہ ہار دیکھ کر نہایت متاثر ہوئے۔ عطوفت پدری سے قلب پر رقت طاری ہوئی۔ مگر قانون مساوات اور دستورِ عدل کا توازن تب ہی قائم رہ سکتا ہے جب جذبات اور خواہشات کی باگ مضبوط ہاتھ میں پکڑی رہے۔ ذاتی رائے سے کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ چاہتے تو کر سکتے تھے۔ مشورے میں پیش کیا۔ صحابہ کو کہا۔ اگر مناسب ہو تو زینب کا یہ طلائی ہار جو اس کے پاس اس کی ماں کی یادگار ہے۔ زینب کو واپس دے دو۔ اور اس قید

کو اس شرط پر رہا کر دو کہ وہ مکّہ میں پہنچ کر زینب کو میرے پاس مدینہ میں پہنچا دے۔ یہ سب تمہاری مرضی پر ہے۔ صحابہ نے جب آقا کی رضا اس میں دیکھی تسلیم کو سر جھکا لیا۔ ہار واپس ہؤا۔ اسیر رہا کر دیا گیا۔ ابو العاص ابن ربیع نے حسب شرط و وعدہ مکّہ پہنچ کر زینب کو مدینہ منورہ میں بھیج دیا۔

(۸) ابو بکر صدّیقؓ کی رأفت اور عمرؓ کی شدّت۔ مشرکین اسیروں نے مدینہ پہنچ کر اپنا وکیل ابو بکر صدّیقؓ کی خدمت میں بھیجا۔ کہ اپنے آقا سے سفارش کرو۔ ہم سب اسیروں کی جماعت سے قرابت میں کوئی باپ ہے کوئی بیٹا۔ ایک چچا ہے دوسرا بھتیجا۔ بھائی بھائی ہیں۔ خال ہیں لعید سے لعید بھی قریب ترین رشتہ دار ہیں۔ احسان کریں۔ یا فدیہ لے کر ہمیں رہا کر دیں۔ ابوبکر صدّیقؓ نے اثبات میں بہتر سفارش کا وعدہ کیا۔

وہی وفد انہی الفاظ و مفہوم کو لئے عمرؓ کی خدمت میں پہنچا۔ وُہ سخت غضب ناک ہوئے آنکھیں خون سے بھر گئیں۔ مایوس کن الفاظ میں وفد کو واپس کیا۔

دونوں یار صدّیقؓ و عمرؓ دربارِ قدس میں مرافعہ لے کر گئے۔ ابوبکرؓ نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ یہ اسیر مجرم سب کے سب آپؐ کی قوم ہیں۔ اُبوّت۔ بنوّت۔ عمومت اخوّت وغیرہ کے رشتۂ قرابت میں سب مربوط ہیں۔ چاہیں تو ان پر احسان فرما کر مفت رہا فرما دیں۔ چاہے فدیہ لے لیں۔ شاید کہ آپؐ کی اس رأفت و کرم کے سبب خداوند کریم ان کو اس قابل بنا دے کہ اسلام لائیں اور جہنم کا ایندھن بننے سے بچ جائیں اور فدیہ لینے میں مسلمانوں میں قوّت اور ثروت دونوں کی زیادتی ہو گی۔ آپؐ خاموش رہے۔

ابوبکر صدّیقؓ وہاں سے اُٹھ کر علیحدہ ہوئے۔ عمرؓ اس جگہ پر آ گئے۔ عرض کی یا نبی اللہ! یہ اسیر سب کے سب اللہ کے دشمن ہیں۔ آپ کے دشمن ہیں۔ آپؐ کو جھٹلایا۔ آپؐ سے جنگ و جدال کیا۔ گھر بار اور وطن سے نکالا۔ اسی وقت سب کی گردنیں اڑا دینے کا حکم دیں۔ یہ سب کفر کے سُفرا اور گمراہوں کے پیشوا ہیں۔ فلاں میرا رشتہ دار ہے۔ سب سے پہلے مجھے اجازت دیں میں اس کا سر

اڑا دوں۔ علیؓ سے کہو۔ اپنے بھائی عقیل کی گردن پر وار کرے۔ حمزہؓ اپنے بھائی عباس کو قتل کرے۔ مشرکوں میں اور ہم میں قرابت۔ اور رشتہ داری کہاں باقی ہے۔ جلدی قتل کا حکم دیویں تاکہ ان سے دوسروں کو عبرت ہو۔

آپ یہ بھی سن کر خاموش رہے اور اُٹھ کر تھوڑی دیر کے لئے اپنی جائے قیام کے اندر چلے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد تشریف لائے تاکہ ان اسیروں کے متعلق باقی صحابہ سے مشورہ کریں۔ اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا۔

ابوبکر صدیقؓ کی مثال

فرشتوں میں میکائیل اور انبیاء میں بالکل ابراہیم علیہ السلام و عیسٰی علیہ السلام کی سی ہے۔ میکائیل جب بھی آتا ہے اللہ کے بندوں کے لئے اس کی رضا اور بخشش و عفو کا پیغام لاتا ہے۔ اور ابراہیم علیہ السلام سے مشابہت اس طرح ہے کہ اپنی قوم سے گالیاں کھا کر دعائیں دیتے۔ وہ حنظل دیتے یہ عسل مہیا کرتے۔ قوم نے آگ میں ڈالا۔ گھر سے نکالا۔ طرح طرح کی تکالیف دیں۔ اللہ کے رسول ابراہیم علیہ السلام نے اس سے زیادہ کچھ نہ کہا۔ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ " تمہارے لئے تمہارے ان معبودوں کے لئے جن کی اللہ کے سوا پرستش کرتے ہو۔ اُف ہو۔ تم سمجھتے نہیں۔ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَإِنَّهٗ مِنِّيْ وَمَنْ عَصَانِيْ فَإِنَّكَ غَفُوْرٌ الرَّحِيْمٌ " خدایا جس نے میری اتباع کی وہ میری جماعت میں ہونے کے سبب بخشا گیا۔ جس نے میرا کہا نہ مانا۔ میرے خلاف کیا۔ وہ ضرور گنہگار ہے۔ لیکن خدایا تو تو غفور رحیم ہے۔

عیسٰی علیہ السلام سے بھی یہی مشابہت ہے۔ قوم نے انہیں جھٹلایا۔ مگر انہوں نے بددعا نہ کی۔ یہی کہا کہ اے الہ العالمین۔ إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ اگر تو ان کو عذاب دیوے۔ تیرے اپنے بندے ہیں اگر تو ان کو معاف کر دیوے تب بھی تو حکمتوں

والا غالب ہے۔

عمرؓ کی مثال

فرشتوں میں وُہ جبرائیل سے مشابہت رکھتا ہے۔ کہ جب بھی آوے گنہگار و عاصی بندوں کے لئے طرح طرح کے عذاب اور وعید کی خبریں لاتا ہے۔ انبیاء میں نوح علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کی بات نہ سُنی غضب ناک ہو کر یہی کہا۔ رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا۔ خُدایا کافروں میں سے ایک بھی روئے زمین پر نہ رہنے دے۔ اگر یہ رہے تو اپنے جیسے بدمعاش فاجر د کافر ہی جنیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے بھی قوم کے لئے ایسے ہی دُعا مانگی۔ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلَى أَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوا حَتَّى يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ۔

متحاربین بدر کا بلحاظ قرابت رشتہ معمولی تصوّر

جماعت اسلام	جماعت کفر	قرابت و رشتہ
ابوبکر صدیقؓ	عبدالرحمٰن	ثانی حقیقی بیٹا ہے لبعد میں ایمان لائے۔
علیؓ بن ابی طالب	عقیل بن ابی طالب	دونوں حقیقی بھائی ہیں۔
ء	نوفل بن حارث بن عبدالمطلب	نوفل علیؓ کے چچا زاد بھائی ہیں۔
حمزہ بن عبدالمطلب	عباس بن عبدالمطلب	دونوں محمد صلعم کے حقیقی چچا اور باہم حقیقی بھائی ہیں۔
ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ	عتبہ بن ربیعہ	حقیقی باپ بیٹا ہیں۔
ء	ولید بن عتبہ	حقیقی بھائی ہیں۔
ء	شیبہ بن ربیعہ	چچا بھتیجا ہیں۔
ابوعبیدہ بن جراح	جراح	باپ بیٹا ہیں۔

یہ چند مثالیں ہیں اسی طرح جانبین میں سے اکثر رشتہ قرابت میں متوسط و مربوط تھے۔

فدایا

آخرکار شوریٰ نے فیصلہ کیا کہ فدیہ لے کر قیدی رہا کر دیئے جائیں۔ اور جس میں فدیہ ادا کرنے کی طاقت نہ ہو۔ نوشت و خواند جانتا ہو۔ معاوضہ فدیہ میں اہلِ مدینہ کے دس بچوں کو کتابت کی تعلیم دلوے۔

بنی ہاشم میں سے تین آدمی اسیروں میں آئے۔ عباسؓ بن عبدالمطلب۔ عقیلؓ بن ابی طالب۔ نوفلؓ بن حارث بن عبدالمطلب۔ مورخین نے لکھا ہے کہ قبل از جنگ سرورِ دو عالم نے خاص ہدایت فرمائی تھی کہ عباس کو قتل نہ کرنا۔ من لقی العباس فلا یقتله فانه خرج مستکرھا۔ وہ مجبور لایا گیا ہے اپنی مرضی سے نہیں آیا۔

مواہب میں آیا ہے۔ کہ عباس ابتدا ہی میں اسلام قبول کر چکے تھے۔ جس کا علم ذاتِ رسول کے سوا اصحابہ کو بھی نہ تھا۔ سرور کائنات کی مکی زندگی میں بھی جب آپ کسی قبیلہ یا قوم میں تبلیغ کے لئے تشریف لے جاتے آپ ساتھ ہوتے۔ اور لوگوں کو اسلام کی ترغیب دیتے۔ ان کے بہت سے مال و دیون لوگوں کے ذمہ تھے۔ کچھ سیاسی اغراض کچھ معاشی اور تمدنی حالات اخفائے اسلام کا موجب رہے۔ یہی امر ہجرت سے بھی مانع رہا۔ اس میں اطلاعات کا بہم پہنچانا بھی بہت سا مقصود تھا۔ آپ جب تک مکہ میں رہے وقائع و اخبار قریش کی اطلاع مدینہ میں پہنچتی رہتی۔ اس کے باوجود عام قیدیوں کی طرح عباسؓ سے بھی فدیہ وصول کیا گیا۔ اور انہیں رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ چونکہ تم ہمارے خلاف حملہ آور ہوئے اس لئے فدیہ ادا کرنا لازم ہے۔ مساوات میں جائز نہیں۔ اس میں صحابہ کرام کی تالیف قلوب بھی شاید مقصود ہو۔ کیونکہ ان کے آبا ر اخوان۔ اعمام و اخوال سے جب فدیہ لیا گیا ہے۔ عباسؓ کیوں مستثنے رہیں۔ عباس نے یک صد وزن اوقیہ سونا اپنا فدیہ ادا کیا۔ اور ا

ہی فی کس عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث بن عبدالمطلب کی طرف سے دیا۔

خُفیہ مشورہ

جنگِ بدر گذرے تھوڑا وقت ہوا ہے۔ امیّہ بن خلف جہنم رسید ہوا تھا۔ مکّہ میں صفوان امیہ کا بیٹا اور عمیر علیحدہ ایک کوٹھڑی میں بات چیت کر رہے ہیں۔ قریش کے دل غیظ و غضب کی شرر فشاں آگ میں سپند سوزاں کی طرح ایک ہی آواز سے بجھ کر رہے جاتے ہیں۔ بدر کی ہزیمت اور شرمناک ذلت کی شکست کا تذکرہ دونوں کے درمیان آگیا۔ تباہی کا تصوّر سامنے آتے ہی بے آواز آنکھوں سے چھم چھم آنسو برسنے لگے۔ ہچکی بندھ گئی۔ ضبط کر کے صفوان نے کہا۔

صفوان:۔ خدا کی قسم بھائی عمیر اب زندہ رہنا بے حیائی ہے۔ بدر کی شکست نے ہمیں خاک میں ملا دیا۔

عمیر:۔ صفوان تو نے سچ کہا۔ مانگے موت ملتی نہیں۔ خدا کی قسم اگر میرے ذمّے بعض قرضے ایسے نہ ہوتے جن کی ادائیگی میرے ذمہ لازم ہے۔ مجھے فکر ہے کہ میرے چھوٹے بچے میرے بعد جو قرضوں کی ادائیگی سے عاجز ہیں کہیں تکالیف و مصائب کا شکار نہ بن جائیں۔ اس ڈر سے کچھ کر نہیں سکتا۔ ورنہ اسی وقت سیدھا مدینہ پہنچتا۔ جس حیلہ سے بھی ممکن ہو سکتا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان لے کر دم لیتا۔ مجھے ان سے ذاتی دشمنی اس لئے بھی ہے کہ میرا لڑکا ان کی قید میں ہے۔

صفوان۔ تیرے میرے درمیان خدا ضامن۔ قرضہ اسی وقت ادا کرتا ہوں۔ تیرے بچے اور سارا اہل و عیال میرے اہل و عیال کے ساتھ پرورش پائے گا۔ ایسا کر سکے تو سوچ بچار کس لئے ہے۔

عمیر۔ اسی سارے راز کو پوشیدہ رکھو۔ تیسرا کان نہ سنے۔ میرے تیرے سوا کسی کو علم نہ ہو۔

عمیر اُٹھ کھڑا ہوا۔ اپنی تلوار سنبھالی۔ تیز کی۔ زہر کی آب دی۔ میان میں ڈالی۔

پہلو میں لٹکائی اور چل کھڑا ہوا۔ کچھ دنوں کے بعد سیدھا مدینہ پہنچا۔ شہر میں داخل ہوا۔ عمرؓ نے بھی دیکھ لیا۔ پیچھا کیا۔ لوگوں سے کہا یہ باؤلا کتا عمیر بن وہب سوائے شرارت کے نہیں آیا۔

عمرؓ نے آگے بڑھ تلوار کا تسمہ پکڑ گردن سے تلوار چھین لی۔ لوگوں سے جو وہاں انصار موجود تھے۔ کہا اسے سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں لے جاؤ۔ وہاں بٹھاؤ۔ میں آتا ہوں۔ یہ بدفطرت خبیث خطرہ سے خالی نہیں۔ لمحہ دولمحہ بعد عمرؓ بھی دربارِ نبوی میں حاضر ہو گئے۔ عرض کی یا رسول اللہ! یہ عمیر بن وہب اللہ کا دشمن تلوار لئے پھر رہا تھا۔ خدمت میں لایا ہوں۔ اس کے تیور شرارت برساتے نظر آتے ہیں۔ نظر فتنہ سے خالی نہیں۔ اس سے فساد کی بُو آ رہی ہے۔

سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر فرمایا عمرؓ! اسے چھوڑ میرے پاس آنے دے۔

سرورِ کائناتؐ:۔ عمیر قریب آجا۔ عمیر قریب ہوا اور کہا۔

عمیر:۔ انعموا صباحًا۔ (ترجمہ) صبح نعمتوں والی ہو۔ یہ ان کا جہالت کا سلام تھا۔

سرورِ کائناتؐ:۔ عمیر اللہ نے ہمیں تمہارے سلام سے اچھا سلام سکھایا ہے۔ جو کہ اہلِ جنت کا سلام ہے۔ تم یہ بتاؤ۔ تمہارے یہاں آنے کا باعث کیا ہوا۔ کیا ضرورت یہاں لائی۔

عمیر۔ میرا بیٹا وہب آپؐ کی قید میں ہے اس کے معاملہ میں آپؐ میرے سامنے احسان فرمائیں۔

سرورِ کائناتؐ:۔ تلوار کس لئے حمائل کی ہوئی ہے۔ اس کی کیا ضرورت در پیش آئی۔

عمیر۔ خدا تلواروں کا ستیاناس کرے۔ اس کے بغیر کبھی ہماری گذر

نہیں ہوتی کیا کریں۔ اور ہماری تلواروں نے آپ کا پہلے بھی کیا کر لیا۔

سرورِ کائنات:۔ سچ سچ بتادو۔ تمہارے یہاں آنے کا اصلی موجب کیا ہے۔

عمیر:۔ میں سچ کہتا ہوں اس کے سوا میرا کوئی مقصد نہیں ہے

سرورِ کائنات:۔ نہیں نہیں۔ تو کیوں نہیں بتاتا۔ تو نے اور صفوان بن امیہ نے کوٹھڑی میں علیحدہ بیٹھے بدر کے مقتولوں کا ذکر کرتے ہوئے گڑھے میں ڈالی ہوئی لاشوں کا تذکرہ کیا۔ پھر تو نے یہ کہا اگر میرے ذمہ قرض نہ ہوتا اور عیال نہ ہوتے۔ تو اسی وقت مدینہ پہنچ کر محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر کے دم لیتا۔ تیرے قرض اور اہل وعیال کا ذمہ صفوان نے اٹھایا اور میرے قتل کرنے کو تجھے بھیجا۔ تیرے آنے کا واحد مقصد یہی ہے۔ تمہارے دو کے سوا تیرا اللہ جاننے والا تھا۔ جس نے مجھے بتایا۔ اور وہی میرا حامی اور محافظ ہے۔

عمیر۔ اَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُولُ اللّٰهِ۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ۔
اے اللہ کے رسول! آپ ہمیں آسمان سے آئی ہوئی خبریں سناتے تھے۔ ہم ہمیشہ جھٹلاتے رہے۔ اور یہی کہتے تھے۔ کہ وحی کوئی نازل نہیں ہوتی۔ یہ بات جو آپ نے بتائی۔ صفوان کے اور میرے سوا تیسرے کان تک پہنچی ہی نہیں نہ اور کوئی وہاں تھا۔ خدا کی قسم اب مجھے یقین ہوا۔ یہ خبر خدا کے سوا آپ تک پہنچانے والا کوئی نہیں۔ اللہ کا شکر ہے جو مجھے اسلام کے راستہ پر لایا۔ اور اس صحیح طریق کو اختیار کرنے کی توفیق دی۔ پھر دوبارہ کلمہ شہادت پڑھ کر صدق دل سے اسلام قبول کیا۔

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اپنے بھائی کو دین کی تعلیم اور قرآن پڑھاؤ اور اس کے قیدی کو بھی رہا کر دو۔ وہ بھی یہ سُن کر دیکھ کر فوراً مسلمان ہو گیا۔

باپ بیٹے میں مذاکرہ

عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ قریش میں نہایت بہادر تند اور اوّل درجہ کے تیرانداز

شمار ہوتے تھے۔ ابوبکر صدیق کا سب سے پہلا بیٹا یہی تھا۔ اسلام لانے کے بعد ایک دن باپ سے بات چیت میں کہا۔ بدر کے روز آپ میری زد میں کئی دفعہ آئے۔ مگر آپ کی پدری بزرگی نے مجھے آپ پر وار کرنے سے روکا۔ اور ہر بار میں منہ موڑ لیتا تھا۔ ابوبکر نے کہا۔ اگر تو میری زد میں آتا میں تیرا سر اڑائے بغیر تجھے نہ چھوڑتا ایمان کے بعد کفر سے رشتہ کہاں باقی رہ جاتا ہے۔ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ (مجادلہ) اللہ پر ایمان رکھنے والے آخرت کو ماننے والے اللہ کے دشمنوں اور اللہ کے رسول سے دشمنی رکھنے والوں سے کبھی دوستی نہیں رکھ سکتے۔ چاہے باپ بیٹے بھائی اور قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔ مسلمانوں نے اللہ کے حکم پر عمل کر کے دکھایا۔ میدانِ بدر میں ابوعبیدہ بن جراح آقائے نامدار محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جماعت میں کافروں سے لڑ رہے ہیں۔ جراح (جو باپ تھا) مقابل ہوا۔ ایک دو دفعہ اس سے اعراض کیا جب دیکھا کہ وہ پیچھا کرنا چاہتا ہے۔ لوٹ کر سر دھڑ علیحدہ علیحدہ کر دیئے۔ پیچھے ذکر ہو چکا ہے۔ میدان میں جب عتبہ اور شیبہ پسرانِ ربیعہ نے مقابل طلب کیا۔ ابوحذیفہ نے حقیقی باپ چچا اور بھائی ولید پر حملہ آور ہونے کی اجازت مانگی۔ رحمت و رأفتِ نبوی نے اجازت نہ دی۔ اس لئے خاموش ہو رہے۔

عبرت

واقعاتِ بدر کے بعد جب ہم ان حوادث پر ذرا غور و فکر کی نظر دوڑاتے ہیں۔ اس کی تجزی اور تحلیل کرتے ہیں۔ ہر حادثہ کی بالائی سطح کرید کر بنظرِ امعان تہ کو دیکھتے ہیں۔ تو اس کے اعماق میں چپہ چپہ پر درسِ عبرت کے نقوش چمکتے دکھائی دیتے ہیں۔ منفعت بخش معلومات کے دُرِ متلالی سے قوتِ ورّاکہ دامنِ مقصود و مرام بھر لیتی ہے۔ حق و باطل کے ڈانڈے روشن نظر آنے لگتے ہیں۔

دنیا کی تاریخ بدلنے کا یہ جشن معلوم دیتا ہے۔ تمدن نیا آگیا۔ تمام مادی ادیان اور عقائد مادہ پرستی منسوخ ہو گئے۔ رُوح میں معنے کا نور چمکنے لگا۔ اور واضح ہو گیا۔ کہ اسباب کے بروجِ مشیّدہ مسبّب کی مشیّت کے سامنے کس طرح ھباءً منثورًا ہو جاتے ہیں۔ بلکہ اوھن من بیت العنکبوت ہو کر قدرت کے ایک جھونکے سے مٹ کر رہ جاتے ہیں۔ براعیث باطل حق کے جھٹکے سہار نہیں سکتے۔ ابوجہل اپنی قوت اور کثرت کے گھمنڈ پر ایسا مغرور ہوا (جس کا اشارۃً پہلے ذکر ہو چکا ہے) کہ عاتکہ کے خواب پر تمسخر اُڑایا۔ ابُوسفیان کے پیغام کو پاؤں تلے روند دیا۔ ابنِ ربیعہ کے مشورہ پر کان نہ دھرے۔ بنی زہرہ راستہ سے لوٹ آئے اور بنی عدی منزلِ مقصود پر پہنچے ہوئے قناتیں اکھیڑ چلے آئے۔ یہ ضد پر اڑا رہا۔ عمیر بن وہب جاسوس کا کہا نہ مانا۔ جہم بن صلت کی بلبلاہٹ اور پریشانی آنکھوں سے دیکھی کانوں سے سُنی مگر قوت پر غرہ رہا۔ اتنے واقعات کے بعد حقائق کو ٹھکرا کر ابوالحکم کیونکر کہلا سکتا تھا۔ ابوجہل بن گیا۔ شیطان اور غولِ بیابان سر پر سوار تھے۔ "زُیِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ" نتیجہ یہ ہوا کہ دو لڑکوں کے ہاتھوں قتل ہو کر واصلِ جہنم ہوا۔

اشارۃً یہ بھی ذکر ہو چکا ہے۔ کہ جب کفار کی ہزیمت اور اہل ایمان کی فتح قریش مکّہ اور یہود مدینہ نے سُنی۔ تمسخر اُڑایا اور ایک نہ مانی۔ کہا یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ کہ تین سو ضعیف و نحیف ہزار تن و توش قوی جوانوں کو میدان جنگ میں ذلت کی شکست دیں۔ یہ مجنون کی بڑ ہے۔ کسی قدر وہ حق بجانب بھی تھے۔ مشرکین مدینہ اور قریش مکّہ کے باطل پرست زنگ زدہ قلوب میں اتنی طاقت اور کثرت کے باوجود ہزیمت کا تصوّر نہیں آسکتا تھا۔ مسلمانوں کے ساتھ حق کی معیّت اور امداد سے ان کی قوّتِ بازو اور تلواروں کی برّش وحدت میں یہ تیزی اس کا سمجھنا ان کے لئے معمّہ تھا۔ اللہ کی طاقت۔ قدرت کی مشیّت اور امداد کے مسئلہ کو قبول کرنا ان کے فہم و ذکا کی وضع کے خلاف تھا۔ وُہ اسباب کو

سمجھتے تھے۔ مسبّب کی مشیت کے علم سے بے بہرہ تھے۔ انہیں کیا خبر تھی کہ ابوجہل کو جو صرف مکہ کا نہیں بلکہ کل عرب کا فرعونِ کبیر ہے۔ دو بچوں کے ہاتھوں ذلت کی موت کا جام نصیب ہوگا۔

خلق عظیم

بیان ہو چکا ہے کہ تمام قریشِ مکہ نے بنی ہاشم سے متواتر تین سال مقاطعہ اور عدم تعاون کے وثیقہ پر سختی اور شدت سے عمل کرتے ہوئے ان کو ظلم و ستم کا تختۂ مشق بنائے رکھا۔ کیوں صرف اس لئے کہ وُہ خُدا کے فرستادہ کی حمایت کرتے تھے ان کی ایذا رسانی کے وقت درمیان میں حائل ہو جاتے تھے۔ ان کی امداد کرتے۔ عباسؓ بیعت عقبہ کے وقت جب اہل یثرب سے حمایت کا عہد لیا جا رہا تھا ان کو تلقین کرتے نظر آتے ہیں کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی پُوری پُوری حمایت کرنا۔ دشمنوں سے ان کی حفاظت کرنا۔ ایسے ہی صحیفۂ مقاطعہ کے توڑنے اور اس میثاق ظلم کے ختم کرنے میں جن لوگوں نے حصّہ لیا۔ ابوالبختری کا نام پہلے آتا ہے جبکہ اس نے زہیر بن امیہ کو عار دلا کر پیمانِ صحیفہ ختم کرنے کی تحریک کی اور کہا زہیر تمہیں شرم چاہیئے۔ تیری ماں عاتکہ عبدالمطلب کی لڑکی ہے۔ بنی ہاشم تیرے ننہیال ہیں۔ محمّد صلے اللہ علیہ وسلم تیرے ماموں زاد بھائی ہیں۔ تم آزادی سے کھاؤ پیو بیاہ شادیاں رچاؤ اور ان سے لین دین اور کسی سے بات چیت کرنے اُٹھنے بیٹھنے تک کی کسی کو اجازت نہیں ہے زہیر کی رگِ حمیت میں خونِ قرابت نے دورہ کیا۔ عہد نامہ کی مخالفت کر کے عہد توڑ دیا۔ اور مقاطعہ ختم ہوا۔

محمد صلے اللہ علیہ وسلم جو مجسم خلق عظیم اور رؤف رحیم ہیں۔ اگر ان کے یہ احسان رائیگان جانے دیتے تو احسان فراموش دنیا میں ان کا ذکر آتا۔ آپ کسی محسن کے حق کو ضائع نہیں کرتے تھے۔ احسان اتار دیا۔ جنگ بدر میں مسلمانوں کو اشارہ کر دیا۔ کہ میدان میں بنی ہاشم میں سے اگر کوئی سامنے آجائے۔ اعراض کرنا۔ عباس کو قتل نہ کرنا۔

ابوالبختری اور فلاں فلاں قریش سرداروں کا خاص خیال رکھنا۔ کیا یہ خلق عظیم اور رافت نہیں ہے۔ یا محسن کے احسان کو بھلا دیا۔

بدر میں اللہ کی نصرت سے مسلمان ظفریاب ہوئے دل مطمئن اور قوت اضعافاً اضعاف ہوئی۔ بارہ افراد کی قربانی سے حیات اسلام نے طاقت پکڑی۔ اللہ کے بندوں کو مولا سے ملا دیا۔ عُبّاد اور معبود میں رشتہ محکم و استوار ہؤا۔ عباد اللہ کا ایمان یقین و اذعان کے درجہ میں پہنچا۔

بدر کے بعد

بدر کا مسلمانوں کے حق میں فیصلہ حقیقت میں قصر اسلام کی پہلی بنیادی اینٹ تھی جو صحیح اپنی جگہ پر درست آئی اب تا ثریا جتنا محل اونچا ہوتا جائے گا دیوار سیدھی اور محکم چلی جائے گی لیکن طبائع قریش کو اس واقعہ نے بجھا دیا۔ ہمت کو بچھاڑ دیا چھوئی مُوئی نبات کی طرح سر کے بل گر پڑے۔ مرد اور عورتیں اپنے مقتولوں پر نوحہ و بین کرتیں۔ وفور رنج و الم میں سر کے بال نوچ نوچ پھینکتیں۔ جب کسی مقتول کی سواری اسپ و ناقہ سامنے گذرتی دیکھ پاتیں۔ گھر اور محلہ کی عورتیں اس کے گرد احاطہ ڈال کر زور زور سے نوحہ و بین کرتے ہوئے گریباں پھاڑتی اور ضرب لطم سے سینہ و منہ لال کر لیتی تھیں۔ ہاں دُور اندیش افراد ان میں ایسے بھی تھے جو ان کو ان حرکات سے سختی کے ساتھ روکتے اور منع کرتے تھے۔ تاکہ ایسا نہ ہو کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ ہماری ان حرکات پر شماتت کرتے ہوئے پھبتیاں اُڑائیں۔

سوچنا یہ ہے کہ یہ سب کچھ ہؤا۔ قریش اس شکست فاش سے دنیا میں زندہ رہنے کے قابل نہ رہے۔ مگر کیا وہ اس ہزیمت پر خاموش بیٹھ رہتے۔ صبر کرتے۔ قوم کے سادات و اشراف کے قصاص دم کو پاؤں تلے دبا کر بھول جاتے۔ اگر ایسا کرتے بھی تو یہ ریاکاری اور غرور و تکبر کے مجسمے جو سینہ نکال اکڑ اکڑ کر چلتے تھے۔ یہ عار اٹھائے شرم و حیا میں ڈوبے کسی کو باہر منہ دکھانے کے قابل ہوتے۔

"ڈوبتا تنکے کا سہارا بھی ڈھونڈتا ہے"

تجویز ٹھہرائی کہ ایک وفد حبشہ میں نجاشی کے پاس جائے۔ اس سے درخواست کریں۔ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے غلام جو وہاں ہیں وہ ہمارے حوالے کرے۔ ہم بدر کے مقتولوں کے بدلے ان کا خون گرا کر دل کی بھڑاس نکالیں۔

نجاشی نصرانی تھا۔ نصاریٰ کے متعلق قرآن نے یہ بتایا کہ وہ اہل ایمان کے ساتھ یہودیوں کی نسبت بہترین دوست ہیں۔ نصاریٰ کو مسلمانوں سے اس لئے بھی ہمدردی تھی کہ وہ جانتے تھے جب ایرانیوں نے رومیوں کو شکست دی تو محمد صلے اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیقؓ اس شکست سے محزون ہوئے۔ اسی وقت صدیقؓ نے مجوسیوں سے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ اس فتح پر اترانا بے سود ہے۔ عنقریب انشاء اللہ رومی نصاریٰ ایرانی مجوسیوں کو ہزیمت دے کر فتحیاب ہوں گے بلکہ فتح کا اتنا پختہ یقین تھا کہ ایک آدمی سے باتوں باتوں میں سو اونٹ کی شرط بھی لگا دی۔ سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم نے جب سنا۔ فرمایا۔ صدیق بیشک شرط اور بھی بڑھا لو۔ تم جیت جاؤ گے۔ لیکن فتح کی میعاد بھی کچھ زیادہ کر دو۔ دونوں دوست یہ باتیں کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تصدیق فرما دی۔ فوراً پیغام آیا۔ "غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ فِیْ بِضْعِ سِنِيْنَ"

نجاشی بادشاہ حبشہ اہل کتاب میں نہایت دُور اندیش اور انصاف پسند آدمی تھا۔ مسلمانوں کو دوستی کے قابل جانچ تول کر اپنے ہاں پناہ دے کر ان کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا۔ ان سے نیک سلوک کیا۔ انہیں مقامِ قرب بخشا۔ وہ ہر طرح اس کے ہاں آزاد تھے۔

جب بدر کے مقام پر کفار ناہنجار ہزیمت خوردہ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ اور مسلمانوں کو فتح و نصرت نصیب ہوئی۔ نجاشی نے یہ سُنا۔ فرحت و سرور کا اظہار کیا۔ مہاجرین کو دربار میں بُلایا۔ مبارکباد دی۔ کہا تمہیں ایسی خوشخبری

سناؤں کہ تمہارے دل باغ باغ ہو جائیں۔ تمہارے ملک سے میرے پاس ایک علینی خبر پہنچی ہے۔ کہ مقام بدر میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اللہ نے ظفر و نصرت سے کامران و شادان کیا۔ مسلمان، نتیجے سے فائز المرام ہوئے۔ کفار مکہ جن میں فلاں فلاں رؤسا تھے۔ سب کے سب تہ تیغ ہو کر فنا کے گھاٹ اترے۔ باقی کچھ بھاگ گئے۔ کچھ گرفتار ہوئے۔

اب آپ ہی بتائیں۔ جب اس نجاشی کے پاس کفار مکہ کا وفد پہنچا ہوگا۔ کیا جواب سنا ہوگا۔ اور کس قسم کے جواب کی توقع ہو سکتی ہے۔ واضح امر ہے کہ ان خیالات کے بعد یاس و ہراس کے سوا اس کے پاس ان کے لئے کیا دھرا تھا۔ جس طرح ذلت کی خاک چھانتے گئے خسر الدنیا والآخرۃ بے نیل و مرام واپس آئے۔

اب کیا ہو۔ جنگ بدر میں مشرکین مکہ کا سپہ سالار ابوجہل تھا۔ جو اپنی قوت کی کثرت پر مغرور ہؤا۔ مسلمانوں کی قلت دیکھی۔ ان کی قوت روحانی اور پشت قوی کو نہ دیکھا۔ صائب الرائے نہ تھا۔ حکیم نہ بنا احمق ہی رہا حماقت میں مٹ گیا۔

اب زعامت اور قیادت فوج کا تاج ابوسفیان کے سر پہ رکھا گیا۔ اس کی زوجہ ہندہ بنت عتبہ قتیل بدر ولید کی بہن اور شیبہ کی بھتیجی تھی۔ یہ تینوں باپ بیٹا اور بھائی اپنی قوت بازو کا جوہر دکھائے بغیر حمزہؓ۔ علیؓ اور عبیدہؓ تینوں ہاشمیوں کے ہاتھوں فنا کے گھاٹ اترے۔ ظاہر امر ہے کہ ہندہ صبر کر سکتی تھی ؟ یا اپنے خاوند ابوسفیان کو اپنے باپ بھائی اور عم بزرگوار کے خون کا بدلہ لئے بغیر بیٹھنے دیتی تھی ؟ جونہی ابوسفیان زعیم قوم بنا۔ ایک ایک قبیلہ کے ایک ایک فرد کے پاس گیا۔ اور حرب ثانی کے لئے ان کو بھڑکایا اور تیار کیا۔ ادھر سے فارغ ہو کر بطور جاسوس مدینہ منورہ گیا۔ رات کی تاریکی میں شہر میں داخل ہؤا۔ یہود بنی نضیر کے رئیس حیی ابن اخطب کا دروازہ کھٹکھٹایا پھر ابن مشکم کے پاس گیا۔ ہر ایک سے یہی کہتا۔ کہ ہم مکہ سے مسلمانوں پر حملہ آور ہوں گے تم یہاں سے ان کے خلاف کھڑے ہو جاؤ۔ یہود

مسلمانوں کے دوست تو نہ تھے۔ مگر جرأت بھی نہ کر سکے۔ کہیں سے موافقت کا جواب نہ ملا۔ مایوس دانت پیستا واپس ہوا۔

یہود کی قوت

قریش کا غیظ و غضب اور ابوسفیان کی ناکام تگ و دو کا ذکر ہو لیا۔ اس وقت یہود کی طاقت بھی قریب قریب قریش مکہ کے برابر تھی۔ بلکہ کچھ زیادہ تھی۔ جس طرح قریش جنوبی حجاز میں دُور دراز تک پھیلے ہوئے تھے۔ یہود شمال کو بڑھے۔ مدینہ کو اپنا وطن بنایا۔ بنو قینقاع کے مکان وسط مدینہ میں تھے۔ کچھ حوالی علاقہ شمال کو بڑھے۔ بنو قریظہ کی بستیاں مدینہ سے جنوب مشرق کو تھیں۔ بنو النضیر غربی جانب پہاڑیوں میں رہتے تھے۔ مدینہ سے شمال میں کافی دُور خیبر واقع ہے۔ وہاں کے یہودی سرمایہ داری اور ثروت میں خاص شہرت رکھتے تھے۔ ایسے ہی وادی القریٰ۔ فدک۔ تیماک وغیرہ علاقے بجانب شمال حدودِ شام تک یہودیوں سے پٹے پڑے تھے۔ اور گنتی کے لحاظ سے پندرہ ہزار تک پہنچتے تھے۔

یہود کی دسیسہ کاریاں

یہودی فطرۃً عیار اور شرارت پسند واقع ہوا ہے۔ اوس اور خزرج انصار کے دو بڑے قبیلے اور گرد و نواح کے جتنے بھی غیر یہودی قبائل رہتے تھے۔ ان کے ساتھ یہود کی اقتصادی چال یہ تھی کہ وہ کمائیں اور یہ کھائیں۔ حقیقت میں اوس و خزرج ان کے مزدور تھے۔ سیاسی قوت ساری اپنے ہاتھ میں رکھے ہوئے تھے۔ خصوصاً بنی اوس اور بنی خزرج کی باہمی لڑائی اور جنگ و جدال میں یہود کی کامیابی مضمر تھی۔

اب یہود نے دیکھا کہ دینِ جدید کی تعلیم اور نفوسِ مزکّی کی برکت سے انصار کے قلوب و صدور ہر نوع غل و غش سے پاک و صاف ہو کر نفاق کی جگہ وفاق سے بدل رہی ہے۔ پرانے زنگار دینِ وحدت کی صیقل سے یک قلم مٹتے جاتے ہیں۔ دل کے

آئینہ میں نور تاریکی سے برسرِ پیکار ہے۔ عداوتیں الفت کا رنگ قبول کر رہی ہیں۔ صبغۃ اللہ نے قلوب سے ظلماتی گھٹاؤں کو بھگا کر ان میں نورانی قمقمے لٹکا دیئے ہیں۔ یہود تلملائے۔ پیچ و تاب کھائے۔ خطرہ ہے کہ اقتصادی قوت رہے گی نہ سیاسی طاقت۔ سب کچھ چھن جائے گا۔

کیوں۔ آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اور آزما لیا ہے۔ کہ مہاجر مکی جو اپنے آقا کی معیت میں مدینہ آئے ہیں۔ یہ لوگ اقتصادیات میں بڑے ماہر اور فنونِ تجارت میں عقل و فکرِ سلیم کے مالک ہیں۔ "اشداء علی الکفار" اور "رحماء بینھم" کی مخصوص صفات بھی ان میں ہیں۔ یہ دیکھ کر انہیں اپنے زوال کا تصور تصدیق کی صورت اختیار کرتا نظر آنے لگا

جب دیکھتے ہیں کہ مجلسِ عام میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انصار و مہاجرین مکہ کے درمیان اخوت کا رشتہ قائم کرنے کو بیٹھے۔ جن دو کے درمیان اخوت قائم ہوئی۔ مدنی بھائی نے اپنی تمام املاک منقولہ وغیر منقولہ اشیاء میں سے برابر کا حصہ مکی بھائی کو تقسیم کرکے دے دیا۔ اس ایثار سے یہودیوں کے سر چکرا گئے سمجھ رہے تھے کہ یہ سب دینِ جدید کی تعلیم کا اثر ہے اس سے جب ذرا آگے غور کریں۔ مکی بھائیوں کے استغناء کی تصویر دکھائی دیتی ہے۔ اسی مجلس میں جب سرورِ دو عالم نے عبدالرحمٰن بن عوف مہاجر کی اخوت سعد بن ربیع انصاری سے قائم کی۔ سعد بن ربیع انصاری نے چاہا کہ دوسروں کی تقلید میں یہ بھی اپنا سارا مال برابر کا حصہ عبدالرحمان کو دے دیوے اور دے دیا۔ مگر ابن عوف کا استغنا آج چودہ سو سال کے بعد بھی قلب پر ایک خاص اثر رکھتا ہے۔ عبدالرحمٰن نے کہا۔ بھائی سعد! برادری حق ہے۔ میں بصد شکر یہ مال واپس کرتا ہوں۔ مجھے صرف یہ بتا دو۔ مدینہ کا بازار کدھر ہے۔ میں وہاں جاتا ہوں میرے رزاق مطلق نے جو میرے لئے رزق پیدا کیا ہے۔ اس کے حاصل کرنے کی میں خود کوشش کروں گا۔ اللہ اکبر۔

یہ دیکھ کر یہود کو کس طرح یقین نہ آتا۔ کہ مکی لوگ تجارت میں ہم سے بڑھ کر ہیں۔

وُہ وقت آنے والا ہے کہ یہ لوگ ہر چیز میں سبقت لے جائیں گے۔

یہود کو خطرہ لاحق ہُوا کہ ہمارا زوال و ادبار یقینی ہے۔ ادھر شیطان نے کانوں میں پھونک دیا۔ جب تک اسلام اور ہادیِ اسلام کے خلاف پختہ محاذ قائم نہ کرو گے تمہارا نام و نشان مٹ جائے گا۔ محمدؐ سے ٹکرا جاؤ۔ غلبہ حاصل کرو۔ ورنہ بچ نہیں سکتے۔ اور تم حق بجانب بھی ہو اس لئے کہ رسول بنی اسرائیل میں سے نہیں ہے۔ اولادِ ابراہیمؑ سے ضرور ہے۔ لیکن اولادِ یعقوبؑ سے نہیں ہے۔ اب تک رسالت بنی اسرائیل میں چلی آئی ہے۔ جب تمہارا یہ حق چھن گیا تم کس کام کے رہ جاؤ گے۔

دعوتِ اسلام اور یہود و نصاریٰ

"وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ"

اکثر اہلِ کتاب تو یہی چاہتے ہیں کہ تمہارے ایمان لانے کے بعد بھی تمہیں مُرتد کر دیں۔ تیری رسالت کو صحیح پہچانتے ہوئے بھی قبول نہیں کرتے۔ مثلاً صفیہ ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں اپنے باپ کی چہیتی بیٹی تھی۔ میرا والد حیی بن اخطب مجھے بہت چاہتا اور ابو یاسر چچا محبت کرتا اور میرے والد اور چچا دونوں بھائی قومِ یہود میں قبولِ نظر عالم فاضل اور یگانۂ عصر علامہ تھے۔ جب سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے۔ دونوں بھائی آپؐ سے ملنے اور دیکھنے گئے۔ شام کے وقت جب واپس آئے۔ آپس میں باتیں کر رہے ہیں اور میں سُن رہی ہوں۔ چچا ابُو یاسر نے میرے والد سے پُوچھا "کیا یہ وہی ہے" انہوں نے جواب میں کہا" ہاں واللہ بالکل وہی ہے" پھر پُوچھا۔ اچھی طرح پہچان لیا" کہا" ہاں پہچان لیا" اُم المؤمنین فرماتی ہیں۔ میرے والد اور چچا آپؐ کے سخت دشمنوں میں سے تھے۔ میرے چچا نے پھر پُوچھا" کیا اب بھی دشمنی کرو گے اور لوگوں کو اسلام سے روکو گے" کہا۔ خدا کی قسم اب دشمنی کی کوئی گنجائش تو باقی نہیں رہی۔ لیکن دیکھئے کیا ہوتا ہے"

مالک بن صلت خوب موٹا تازہ یہودی عالم تھا۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا سخت دشمن یہود سے روپیہ پیسہ لے کر ان میں آپؐ کے خلاف سخت پراپگینڈہ کرتا۔ ایک روز دربار نبویؐ میں آیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ تجھے اس خدا کی قسم جس نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل فرمائی ہے۔ کہیں تورات میں یہ بھی لکھا پایا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ہٹے کٹے ملا کو پسند نہیں فرماتا۔ تو بھی یہودیوں کا مال جھوٹی تحریک میں کھا کھا کر موٹا تازہ ہو گیا ہے۔ یہودی غضب ناک ہو کر چل دیا۔

یومِ بعاث

بعاث مدینہ کے قریب بنی اوس کا ایک گاؤں ہے ایک دفعہ بنی اوس اور بنی خزرج کا مقابلہ اسی جگہ ہو گیا۔ اس روز اور جگہ کے لحاظ سے تاریخ میں یوم بعاث ایک مشہور واقعہ ہے۔

شاس بن قیس یہودی مسلمانوں کے خلاف ہمیشہ زہر اُگلا کرتا۔ اور شدید الحسد متعصب تھا۔ ایک دن کہیں جاتے ہوئے بنی اوس اور بنی خزرج ہر دو قبائل انصار کو اکٹھے بیٹھے دیکھا۔ کہ محبت اور دوستی کے تذکرے ہو رہے ہیں۔ ان کے نفاق و شقاق کے بعد اتفاق و اتحاد کا دَور دورہ برداشت نہ کر سکا۔ ایک یہودی نوجوان کو سمجھا بجھا کر بھیجا کہ ان میں جا کر بیٹھو۔ اور موقعہ پا کر یوم بعاث کا فلاں قصیدہ خوب دردناک لہجہ میں ادا کرو۔ یہودی نے جب لہجہ خاص میں قصیدہ پڑھنا شروع کیا۔ فریقین اس سانپ کی مانند مستی میں آ کر جھومنے لگے۔ جو بین کی آواز پر پھن پھیلائے سر مارنے لگتا ہے۔

آخر ایک نے کہا یہ اشعار ہماری تعریف میں کہے گئے ہیں۔ دوسرے نے کہا۔ نہیں یہ تو ہماری شجاعت اور دلیری کی ترجمانی کی گئی ہے۔ اسی میں میں اور تو تو میں جانبین سے جنگ و جدال کی صفیں تیار ہو گئیں۔ اور مرنے مارنے پر تُل گئے۔ رحمۃ للعالمین کو کسی نے اطلاع دی۔ آپؐ فوراً موقع پر پہنچ گئے۔ فرمایا۔ یا معشر المسلمین اللہ یہ

کیا کر رہے ہو۔ وہی جاہلیت کی حمیت اور حماقت تم میں پھر عود کر آئی۔ اور میں ابھی خود تم میں موجود ہوں۔ اللہ نے تمہیں اپنی رحمت خاصہ سے ہدایت کا رستہ دکھایا۔ تم نے اسلام قبول کیا۔ کفر کے بادیہ ضلالت سے نکال کر اسلام کی اُلفت نصیب کی۔ کیا پھر قعر مذلت و رسوائی میں گر کر مٹنا چاہتے ہو۔ جنگ کو چھوڑ دو۔ یہ تمہاری تباہی و بربادی کے لئے دشمن نے چال چلی ہے۔ تم مکار یہود کو نہ سمجھے۔ سب کی آنکھیں کھلیں اور نادم ہوئے۔ ایک ایک گلے لگ کر ملے اور بغل گیر ہوئے۔ اخوت و اُلفت کا نور چمکا۔ پھر نئے سرے سے بھائی بھائی سے مل بیٹھا۔

عبداللہ بن سلام اپنی قوم میں رئیس یہودی جب ایمان لایا۔ قوم نے اس کے متعلق جو رائے قائم کی اس کا ذکر وُہ یوں کرتا ہے۔ کہ سرور کائنات رحمۃ للعالمین ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے۔ لوگ جوق در جوق حسن عقیدت سے کچھ بغرض امتحان کچھ تماشائی دیکھنے کو آپ کے پاس پہنچے۔ چنانچہ میں بھی حاضر ہوا۔ جب روئے مبارک دیکھا پھر غور و تأمل سے نظر دوڑائی۔ قیافہ نے بمشورہ عقل و فکر ندا دی۔ عبداللہ ایسے نورانی چہرہ سے ظہور کذب ناممکن ہے۔ ضرور یہ اللہ کا سچا رسول ہے۔ اس وقت آپ لوگوں میں یہ خطاب فرما رہے تھے۔

" ایها الناس افشوا السّلام وصلوا الارحام واطعموا الطعام وصلّوا بالليل والنّاس نيامٌ تدخلوا جنّة السّلامِ " (ترجمہ) لوگو! السّلام علیکم عام کرو۔ رشتہ داروں کے حقوق پر نگاہ رکھو۔ مساکین کو کھانا کھلاؤ۔ رات جب لوگ سوئے ہوں تم بارگاہ رب العالمین میں رکوع سجود اور قیام کرتے پائے جاؤ۔ تمہارے لئے جنت السلام انعام ہے۔ ضمیر سے آواز آئی عبداللہ کہو: اَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ حَقًّا و انّكَ جِئْتَ بِالْحَقِّ " زبان بولی۔ میں شاہد ہوں کہ تو اللہ کا پیغام لایا ہے۔ بالکل صحیح اور سچا ہے۔ میں خوشی خوشی گھر دوڑتا گیا۔ انہیں بتایا۔ میری اتباع میں سب اہل و عیال مسلمان ہو گئے۔ مگر لوگوں میں میرا اسلام ابھی پوشیدہ تھا۔ میں دربار نبوی میں ابو ایوب انصاری کے گھر حاضر ہوا۔

عرض کی یہود مجھے اپنی قوم میں سردار اور رئیس مانتے ہیں۔ میرے باپ دادا کو رئیس مانتے آئے ہیں۔ میرے عالم فاضل ہونے کا اعتراف ہے میرے باپ کو بھی عالم مانتے تھے۔ ان میں میں سب سے زیادہ جاننے والا اور زیادہ جاننے والے کا بیٹا ہوں اگر انہیں میرے اسلام کا علم ہو جائے۔ میرا ان میں کوئی مقام نہیں۔ اپنے جاہل سے بھی جاہل کہیں گے۔ اس لئے آپ مجھے مکان کے ایک کونہ میں بٹھا دیں۔ میرے متعلق ان سے پوچھیں کہ میں کیا ہوں۔ وہ مبہوت خرد ماغ کندہ ناتراشیدہ عجیب ذہنیت کے مالک ہیں۔ اگر جان لیا کہ میں اسلام لا چکا ہوں طرح طرح کے اتہام مجھ پر تراشیں گے ورنہ تعریف کریں گے۔ آپ ان سے عہد لے لیویں کہ اگر میں آپ پر ایمان لاؤں اور اللہ کی کتاب قرآن مجید کو سچا مانوں تو وہ بھی ایمان لا دیں۔

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلایا۔ وہ آئے۔ فرمایا۔ اے قوم یہود۔ خدا سے ڈرو۔ اس خدا کی قسم جس کے بغیر کوئی معبود نہیں۔ تم یقین سے جان چکے ہو کہ میں اللہ کا سچا رسول اور فرستادہ اس کا صحیح پیغام لے کر آیا ہوں تم بھی اسلام لاؤ۔ سب نے متفق ہو کر جواب دیا ہم تجھے رسول ہی نہیں مانتے اسلام کیونکر لائیں آپ نے دوبارہ فرمایا سہ بارہ کہا وہی جواب جو اوّل تھا سب دہراتے رہے۔

سرورِ کائنات نے پوچھا بھلا یہ تو بتاؤ تم میں عبد اللہ بن سلام کیسا آدمی ہے۔ سب نے کہا وہ تو ہمارا سردار ہے۔ ہمارے سردار کا فرزند ارجمند ہے۔ وہ خود ہم سب سے بڑا عالم فاضل اس کا باپ علامۂ دہر تھا۔ ان باپ بیٹوں کی نظیر ہماری قوم میں نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اگر وہ مجھے سچا رسول مان لیوے۔ قرآن کو خدا کی سچی کتاب تسلیم کرے پھر تم کیا کرو گے۔ سب نے کہا اگر وہ تصدیق کر دیوے آپ کو سچا رسول مان لیوے ہم جانتے ہیں وہ غلطی نہیں کرتا۔ ہم فوراً ایمان لاویں گے۔

آپ نے فرمایا۔ ابن سلام باہر آؤ۔ جونہی باہر آیا آپ نے پوچھا تورات اور انجیل کی بشارت کے مطابق مجھے کیا سمجھتے ہو۔ تمہارے باپ دادا سے جو مجھ پر ایمان لانے کے متعلق عہد لیا گیا تھا وہ عہد غلط تھا یا میں وہ رسول نہیں ہوں۔ تمہارا علم کیا

کہتا ہے۔ عبداللہ نے عرض کی۔ اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم میں نے خوب جانچ تول اور پڑتال کر کے معلوم کیا۔ آپ تورات اور انجیل میں معہود اور مذکور رسُول ہیں۔ آپؐ کی رسالت صحیح آپ کی لائی ہوئی کتاب سچی ہے۔ ابن سلام پھر قوم سے متوجہ ہُوا۔ کہ تم ایمان لاؤ۔ خُدا کے عذاب سے ڈرو۔ سب نے جواب دیا۔ تو جھوٹا تیرا باپ جھوٹا تو شریر ابن شریر ہے۔

یہود کی اس ذہنیت اور مذکورہ عیّاریوں اور دسیسہ کاریوں سے پتہ چلتا ہے کہ انہیں اسلام اور بانیٔ اسلام سے کس قدر عناد اور دشمنی تھی۔ مطولات کتب سیرت میں یہود کی اسلام دشمنی پر واضح بحث ملتی ہے۔ یہاں تو اشارۃً یاد دہانی کرائی گئی ہے۔ تاکہ یہ معلوم ہو جاوے کہ مسلمانوں کو قریش کے ساتھ ساتھ یہود کی عہد شکنی اور تمام عہود و مواثیق کو پسِ پشت ڈال کر میدان جنگ میں کودنے کا کتنا فکر تھا۔ اور اس کے لئے کس قدر احتیاط کرنی ضروری تھی۔

اس وقت مسلمانوں کی مٹھی بھر جماعت کے مقابلے میں ایک تو یہود کی سرمایہ دار قوم ہے جو مدینہ کے حوالی سے شمالاً حدود شام تک پھیلے پڑے ہیں۔ دوسری قریش کی قوت کثرت جو جنوبی حجاز میں آخری حدود تک چلے گئے ہیں۔ موجود ہے۔ اور یہ دونوں مسلمانوں کے خلاف پُوری سر توڑ کوشش کر کے جس نور سے ان کی آنکھیں چندھیا گئی ہیں اُسے بُجھانا چاہتے ہیں۔ ” یُرِیۡدُوۡنَ لِیُطۡفِـُٔوۡا نُوۡرَ اللّٰهِ بِاَفۡوَاهِهِمۡ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوۡرِهٖ وَلَوۡ كَرِهَ الۡكٰفِرُوۡنَ “

اب مسلمانوں کے سامنے دو طاقتیں ہیں۔ یہود کی شیطنت اور غلبہ جو شمالی حجاز میں حدودِ شام تک چلے گئے ہیں۔ دوسری طرف جنوب کی جانب کنارِ بحر تک قریش کا ٹڈی دَل پھیلا ہُوا ہے اور دونوں گروہ اسلام دشمنی میں ایک دوسرے سے بڑھ کر خواہشات رکھتے ہیں۔ مسلمانوں کو نیچا دکھانے اور ان کے مٹانے میں مُصر اور کوشاں ہیں۔ ان کے عناد ایذا رسانی اور سہام بلا کا نشانہ بنانے میں ہر نوع اسباب مہیّا کر رہے ہیں۔

ادھر مسلمان اپنی قلتِ نفوس کو محسوس کرتے ہوئے امرِ الٰہی کی طرف نظریں لگائے ہیں۔ البتہ نظریں بیدار ہیں۔ دل قوی ہیں۔ دور اندیش بصیرت کے ساتھ عزم و جزم سے نصرت و ظفر سے ہمکنار ہونا چاہتے ہیں۔ کسی وقت بھی حصولِ مقصد میں تساہل اختیار نہیں کرتے۔ اور نہ ہی قدرت کی طرف سے اسباب مہیا ہوئے بغیر عجلت و سرعت اختیار کرتے ہیں اسی میں ثمرِ نصرت اضعافاً اضعاف حاصل کرتے ہیں۔

اُحد سے پہلے

بیان ہو چکا ہے کہ قریشِ مکہ انتقامِ بدر میں پوری تگ و دو اور اجتماعی سعی میں منہمک ہیں۔ ادھر بدر میں قریش کی ناکامی نے اسرائیلیوں کے جذبات و حسیات کو بیدار کر دیا۔ انہیں بھی فکر بیتاب کئے ہوئے ہے کیوں نہ ہو ؎

اذا حُلِقَتْ لحیۃ جارٍ لہ

فلیسکب الماء علی لحیتہٖ

صحیح نظریہ ہے یعنی جب ہمسائے کی داڑھی منڈھ چکے دوسرے ہمسائے کو چاہیئے کہ داڑھی تر کر رکھے اس کی باری آنی ہے۔ اس فکر و اندیشہ میں وہ ہر قسم کی چالوں اور عیّاریوں میں لگے رہتے۔

طبعی امر اور فطرت کا خاصہ بلکہ تقاضا یہی ہے کہ جب دو بھاری دشمن سامنے آ رہے ہیں۔ آپ بھی دفاعی تدابیر میں غور و فکر کریں۔ اس سے غفلت دُور اندیشی کے خلاف ہے۔ آپؐ بھی سوچ رہے ہیں۔ کہ ان عارضی بلیّات سے عہدہ برآ ہونے کے لئے کیا طریق کار اختیار کرنا چاہیئے۔ جس سے دشمن کو دنداں شکن جواب دے کر ظفر و نصرت حاصل کی جاوے۔

بنی قینقاع جو وسطِ مدینہ میں رہتے ہیں۔ کئی طریق سے دشمنی کا اظہار کر چکے ہیں۔ تمام مواثیق کو پس پشت ڈال کر دینِ جدید کے خلاف تُلے ہوئے ہیں انصار کی دو بڑی جماعتوں اوس و خزرج میں اسلام لانے کے بعد اتفاق و اشفاق کی

تخم ریزی میں سر توڑ کوشش کرتے رہتے ہیں۔ مسلمانوں پر مصائب آتے دیکھ کر راحت پاتے ہیں۔

دوسری جانب قریش جنگ کی تیاری کر چکے ہیں مسلمانوں میں اور مشرکین مکّہ میں وقوع جنگ ہر لمحہ قریب ہو رہا ہے۔ محمد صلے اللہ علیہ وسلم قوتِ قریش کو سوچتے ہیں پھر عنادِ یہود کا جائزہ لیتے ہیں۔ خیال گذرتا ہے کہ جب مکّی قریش سامنے میدانِ حرب میں برسرِ پیکار ہوں گے۔ یقیناً پیچھے سے یہود مدینہ جو شہر کے اندر رہتے ہیں، ہماری پیٹھ تیروں سے چھید کر مکیوں کی حوصلہ افزائی کریں گے۔ جاسوسی کے فرائض سرانجام دیں گے۔ غرض کہ ہر نوع ہر جانب سے خطرہ ہی خطرہ دکھائی دے رہا ہے۔ اسی غور و فکر میں تھے کہ حوادث نے ایسا نقشہ بدلا کہ قدرت نے یہ گوارا نہ کیا کہ اللہ اور اس کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں کو دو طرفہ فکر و تشویش کے امتحان میں ڈال کر تکلیف مالا یطاق سے دوچار کیا جائے۔ ایسے اسباب مہیا کر دیئے کہ جنگ سے پہلے ہی ایک یہودی بھی مدینہ میں نہ رہنے پایا۔

واقعات کی تبدیلی

ایک مسلمان عورت یہودیوں کے بازار صرّافہ میں جاتی ہے۔ کسی زیور کے متعلق بیٹھی بات چیت کر رہی ہے۔ چند غنڈہ ذہنیت یہودی چاہتے ہیں کہ یہ باحیا عورت رُخ سے پردہ ہٹائے، اور یہ بے حیا اس کے چہرہ کو دیکھ کر محظوظ ہوں۔ عصمت فطرت نے بدمعاشوں کو اپنے ارادوں میں ناکام و نامرام کر دیا۔ چپکے سے ایک غنڈہ اُٹھا۔ بے خبری کے عالم میں اس شریفہ کی چادر میں کہیں زمین پر میخ لگا دی بات چیت سے فارغ ہو کر وہ جونہی اچانک اُٹھی۔ تہ بند کھل گیا۔ بے پردہ ہو کر حیا سے زمین سے چپک بیٹھ گئی۔ اب کیا تھا۔ شریر غنڈے تالیاں بجانے قہقہے مارنے لگے۔ عورت نے بطور فریاد بلند آواز سے وا اغیثا وا اغیثا اہل واقارب کو پکارا۔ دُنیا کے عمومی افراد میں بھی اس قسم کے واقعات ایک سخت ہیجان اور اضطراب

پیدا کر دیتے ہیں۔ اور عرب کی تاریخ کے صفحات تو اس قسم کے حوادث سے پٹے پڑے ہیں۔ ذرا بھی خلافِ طبیعت بات کا کہیں سے صدمہ ہوا۔ غیرت و حمیت کے شعلے آن کی آن میں بھڑک اٹھے۔ قومیں جل بھن کر راکھ ہو گئیں۔ صدیوں جنگ جاری رہی۔

جونہی مستغیثہ کے استغاثہ کی آواز ایک مسلمان کے کانوں میں پہنچی۔ انجام کی فکر نہیں تلوار نکالی۔ یہودی کا سر تن سے علیحدہ کر کے رکھ دیا۔ یہودی کیوں خاموش رہتے۔ مل کر حملہ کیا۔ مسلمان کو بھی شہید کر دیا۔ بہت قریب تھا کہ جب یہود نے شرائط عہد و پیمان کو پسِ پشت ڈال کر عملاً جنگ کا اعلان کر دیا۔ مسلمان بھی میدان میں نکل آتے۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم بنی قینقاع کے پاس خود تشریف لے گئے۔ جو ان سے عہد و پیمان ہو چکا تھا۔ وہ سب خلفیہ مواثیق و مواعید یاد دلائے اور سمجھایا کہ مسلمانوں سے چھیڑ چھاڑ چھوڑ دو۔ کہیں اہل بدر کا سا عذاب دیکھنا نہ پڑے۔ اسرائیلی برافروختہ ہو کر کہنے لگے۔ محمدؐ! تمہیں بدر کی کامیابی فریب و دھوکا دے رہی ہے۔ کہیں ماہر فنونِ حربیہ سے واسطہ ہی نہیں پڑا۔ جب میدانِ حرب میں ہمارا سامنا ہوا چھٹی کا دودھ بھول جاؤ گے۔ آپؐ واپس تشریف لائے۔

مسلمانوں کے عدد و قوّت کا اندازہ کیا۔ اسرائیلیوں کی طاقت اور ذہنیت کو دوسری مٹھی میں رکھ کر وزن کو جانچا۔ پھر صحابہ سے مشورہ کیا۔ قرار پایا ہرچہ بادا باد۔ تمام اسرائیلیوں کو موت کے گھاٹ اتار دو۔ ان کے اعلانِ جنگ کے مقابلہ میں لڑائی کے لئے عسکری صف بندی ہو گئی۔ اسرائیلی کہاں تاب رکھتے تھے۔ قلعہ بند ہو گئے۔ پندرہ روز محاصرہ رہا۔ آخر عبداللہ بن ابی بن سلول نے سفارش کی۔ کہ بنو قینقاع مدینہ چھوڑ کر جلا وطنی قبول کرتے ہیں ان کا تمام مال و اسباب، اسلحہ، سونا، چاندی، زیور و ظروف سب مسلمانوں کا مال ہو گا۔ سفارش منظور کر لی گئی۔ اذرعات کے علاقہ میں جو حدودِ شام میں ہے۔ سب کچھ چھوڑ چھاڑ جلا وطن ہو گئے۔ گنتی میں سات سو کی

نفری تھی۔ یہ ۲ھ ہجری کا واقعہ ہے۔ خمس مال نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت
میں پیش کیا گیا۔ باقی سب مال مالِ غنیمت کے طور پر مجاہدین میں تقسیم ہُوا۔
عیدالضحٰے کا دن آگیا۔ آپؐ نے عید کی نماز بیرون شہر جنگل میں لوگوں کو پڑھائی۔
دو بکریاں ذبح کیں۔ یہ آپ کی پہلی قربانی تھی۔
غزوات الکدر۔ سویق۔ ذی آمر۔ بحران وغیرہ بھی اسی دوران میں پیش آئے۔ مگر
ان کی حیثیت سرایا سے زیادہ نہ تھی۔ آپ ان میں شامل بھی نہیں ہوئے۔ اور بغیر کسی
خونریزی کے واقعہ ختم بھی ہو گیا۔ مثلاً غزوہ سویق۔

"سویق"

سویق ہماری زبان میں ستو کو کہتے ہیں۔ ابوسفیان قائد قریش دو سو مکی نوجوانوں
کی معیت میں خفیہ طور سے مدینہ کے قریب پہنچا۔ رات کو گشت لگائی۔ مقام عریض
میں ایک انصاری اور اس کا حلیف پائے۔ دونوں کو قتل کر دیا۔ ان کی جھونپڑیاں اور
کھجوروں کے درخت نذرِ آتش کر کے راکھ کا ڈھیر کر دیئے۔ سرورِ کائنات صلی اللہ
علیہ وسلم کو خبر ہوئی۔ ان کا پیچھا کیا گیا۔ مگر وُہ بزدل خوفزدہ ترساں پہلے ہی بھاگ نکلے
تلاش کی گئی نہ ملے۔ زادِ راہ کے طور پر جو ستو ہمراہ تھے بوجھ ہلکا کرنے کی خاطر
راستے ہی میں پھینکتے گئے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ غزوہ سویق کے نام سے مشہور ہے۔
ابُو سفیان کا اپنی قطاع الطریق جماعت کو لے کر بھاگ جانا اور مسلمانوں
کا تلاش و جستجو میں پیچھے پھرنا سفیانیوں کی ذلّت اور جُبن پر بیّن شہادت
ہے۔ اور مسلمانوں کی ہیبت و قوت کا پتہ دیتا ہے۔

غزوۂ غطفان

ایسے ہی دعشور بن حارث جری جنگجو تھا۔ بنی ثعلبہ سے ساڑھے چار سو جوان
جمع کر کے مدینہ لوٹنے کے ارادہ سے حملہ آور ہوا۔ سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم

کو بھی قبل از وقت علم ہو گیا۔ جب وُہ آئے مسلمان دلاور بھی مقابلہ کے لئے سامنے نکلے۔ وہ جنگ کی تاب کہاں رکھتے تھے۔ بھاگ کر پہاڑوں کی غاروں میں چھپ کر جان بچائی۔

حق کی طاقت

سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم شہر کے باہر درخت کے نیچے آرام فرما رہے ہیں۔ کرتہ اتار کر پسینہ خشک کرنے کو دھوپ میں رکھ دیا ہے۔ بے خبری میں یہی دعثور مذکور آ جاتا ہے۔ تلوار سونت کر کہتا ہے۔ "بتاؤ محمدؐ! میرے ہاتھ سے اب تجھے دیکھیں کون بچا سکتا ہے۔ جذبۂ رُوحانی کے ساتھ زور سے فرمایا "اللہ"۔ اللہ کا لفظ زبان سے نکلا ہی تھا۔ دعثور پر ہیبت طاری ہو گئی۔ ہاتھوں میں لرزہ پڑ گیا تلوار ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر پڑی۔ سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم نے جھٹ اُٹھالی۔ فرمایا "اَلْاٰنَ مَن یَحْمِیْكَ مِنِّیْ" اب تجھے مجھ سے کون بچا سکتا ہے۔ دعثور نے جواب دیا "میرا تو کوئی نہیں" رؤف رحیم نبیؐ بزدل دشمن کے خون سے کب ہاتھ آلودہ کرتے تھے۔ معاف کر دیا۔ اور چھوڑ دیا۔ وُہ اُسی وقت قوم میں گیا۔ واقعہ بیان کر کے قوم سمیت مسلمان ہو گیا۔

اِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ۔ اسلام بزورِ شمشیر نہیں پھیلا یہ خلق عظیم کی سیف براں تھی۔ جس نے بڑے بڑے متکبروں کے سر دہلیزِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جھکا دیئے۔

اُحد

قریش نے بدر کے بعد قیادتِ عامہ اور سیاست امور حربیہ وصلاحیہ ابوسفیان کے سپرد کر دی اسے اپنے نفوس و اموال میں مختارِ کل تسلیم کر لیا۔ جس طرح بھی ممکن ہو سکے۔ انتقام بدر پورے طور پر لیا جاوے۔

ابوسفیان نے جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ تین ہزار کا لشکر جرار جمع کیا۔

جن میں سات سو زرہ پوش نوجوان تھے۔ سب کے سب اُونٹ گھوڑوں اور عصری سلاحِ حرب سے مسلح تھے۔ زادِ راہ ضرورت سے زیادہ ساتھ لیا۔ عورتیں گاتی بجاتی محرکِ قتال اور تحریضی گیتوں سے بھڑکاتی آگے آگے چلیں۔ ان سب کی قائد ہندہ بنت عتبہ بن ربیعہ تھی۔ جس کے گیتوں کا عنوان یہ تھا۔

ان تقبلوا نعانق　　　ونفرش النمارق

او تدبروا نفارق　　　فراق غیر وامق

عربِ جاہلیت کی تہذیب محاربات میں فخر و مباہات کے ساتھ نوعِ نسوانی کو تحریض و تحریک کے لئے ساتھ رکھتی تھی ان کے سامنے مردِ میدانِ جنگ میں سرعت سے آگے قدم اٹھاتا ہے اور ہزیمت و شکست پر موت کو ترجیح دیتا ہے۔

عباسؓ نے جو اس وقت تک مکہ میں رہتے تھے ایک خفیہ قاصد بھیجا۔ جو قریش کی پوری تیاری، جنودِ قاہرہ کی تعداد، شمولیت بنی کنانہ و تہامہ وغیرہ اور زادِ راہ ساز و سامان اسلحہ جات اور دوسری ضروری ہدایتیں لے کر آیا۔

سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم نے تمام مسلمانوں کو جمع کر کے مشورہ لیا۔ اور فرمایا۔ جو کچھ کرنا چاہتے ہیں کر لیں۔ اگر ادھر کا رُخ کیا ہم ضرور مقابلہ کریں گے۔ سب نے آمین کہی۔

عبداللہ بن اُبی بن سلول نے یہ مشورہ پیش کیا کہ آپ مدینہ ہی میں ان کا انتظار فرمادیں۔ اور باہر نہ نکلیں۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش بھی یہی تھی۔ عبداللہ نے بھی کہا میرا تجربہ ہے کہ جب کبھی آگے بڑھ کر دشمن کا مقابلہ کیا زک اٹھائی۔ اگر دشمن حملہ آور ہؤا۔ اور ہم نے اپنی جگہ پر مدافعت کی ہمیشہ کامیاب رہے۔ اب بھی اگر وُہ حملہ آور ہوں گے۔ ہم سامنے سے ان کا منہ توڑ مقابلہ کریں گے۔ اُوپر سے عورتیں اور بچے انہیں پتھراؤ کر کے تباہ کر دیں گے۔ خائب و خاسر جس طرح بھٹکتے آئے تھے۔ بھٹکتے جائیں گے۔

لیکن صحابہ کی کثرت اس رائے کے مخالف ہو گئی اور کہا کہ گھر سے نہ نکلنا

ہماری بزدلی اور جبن کی روشن دلیل ہے۔ مقام بدر میں باہر نکل کر جب دشمن کا مقابلہ کیا۔ اُسے شکستِ فاش دی۔ گھر سے نکل کر مقابلہ کرنا دگنی جرأت اور قوت پیدا کر دیتا ہے۔ آخر یہی فیصلہ ہُوا کہ شہر سے باہر کھلے میدان میں حق اور باطل کی ٹکر ہو گی۔

کثرت رائے کو تسلیم کرتے ہوئے نبی صلے اللہ علیہ وسلم حرم سرائے میں تشریف لے گئے۔ امت کی خاطر اسلحہ وقت اور لباسِ جنگی سے ملبوس ہو کر تشریف لائے۔ بعض ذکی دُور اندیش سمجھ گئے کہ سرورِ دو عالم کی مرضی کے خلاف شہر سے باہر میدانِ جنگ قائم کرنے کا فیصلہ ہُوا ہے نتیجہ خلاف پسند ہو گا۔ چند افراد نے باقیوں کی نیابت کرتے ہوئے عرض بھی کی کہ میدانِ کار زار شہر ہی کو تجویز کیا جائے۔ مگر آپؐ نے فرمایا" ماینبغی لنبیّ اذالبس لامتہ ان یضعہا حتی یقاتل " جب نبی امت کی خاطر لباس جنگ پہن لیوے۔ پھر بے کارِ زار اسلحہ کا رکھنا جائز و مناسب نہیں۔

سرورِ دو عالمؐ صرف ایک ہزار نفری کے ساتھ جبلِ اُحد کے دامن کو جو مدینہ منورہ سے چند میل پر واقع ہے۔ مقابلہ کے لئے چلے۔ سواری کے صرف دو جانور تھے۔ ایک نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی سواری دوسرا ابی بردہ کا گھوڑا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ۔ ام سلیم انسؓ کی والدہ ام سلیط ابو سعید خدری کی ماں کے علاوہ چند اور مستورات بھی مرہم پٹی کے لئے ہمراہ تھیں۔

عبداللہ بن ابی منافق راستے میں سے ہی اپنے تین سو سواروں کی جمعیت لے کر اس بہانہ سے لوٹ آیا کہ میری رائے کیوں رد کر دی گئی۔ خس کم جہاں پاک۔ اب ہزار کی جگہ صرف سات سو تین ہزار کے مقابلہ میں رہ گئے۔ مسلمانوں میں صرف پچاس آدمی تیر انداز تھے۔ اور ایک سو زرہ پوش اور کفار میں سات سو زرہ پوش جوان تھے۔

ترتیب لشکر

مسلمانوں نے جبل اُحد کو اپنی پیٹھ کے پیچھے رکھ لیا۔ اور پچاس تیر انداز درّہ کے اس دہانہ پر کھڑے کر دیئے گئے۔ جہاں سے پیچھے کی طرف کا راستہ پہنچتا تھا۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تیر اندازوں کو مؤکد ہدایات سے حکم دیا: ہماری پیٹھ کی پختہ حفاظت تمہارے ذمہ ہے چونکہ صرف اسی جانب سے ان کے حملہ آور ہونے کا خطرہ ہے۔ یہاں سے کسی وقت بھی ایک قدم اِدھر اُدھر نہ سرکو۔ ہم انہیں شکست دے کر بھاگتے لشکر کا تعاقب کر کے ان کے اندر بھی گھس جائیں۔ تمہیں اپنی جگہ ہرگز نہ چھوڑنی ہوگی۔ ہم انہیں قتل کرتے ہوں یا شہید ہوتے ہوں ہماری امداد کے لئے بڑھو نہ ہم سے ان کی مدافعت کا خیال ہی تمہارے قدم میں جنبش لائے۔ ان کے گھوڑے پیچھے سے زور ڈالنے کو بڑھیں ان کے ماتھے تیروں سے چھید دو۔ گھوڑا تیر کے ڈر سے آگے نہیں بڑھتا۔ وہ سوار کو لے کر پیچھے ہی بھاگے گا۔

باقی حصہ فوج کو حکم دیا۔ جب تک میں اجازت نہ دوں لڑائی شروع نہ ہو۔ فریقین محاربہ کے لئے بالکل تیار ہیں۔ اجازت ہوئی۔ دشمن دشمن پر پل پڑا۔ صفیں درہم برہم ہونی شروع ہوئیں۔ سیوف کی چمک برق نظیر تھی۔ تو برش کی آواز رعد معلوم دیتا تھا۔ جو صاعقہ مثال جہاں پڑی کشتوں کے پشتے لگ گئے اگرچہ مسلمان سخت آزمائش میں ڈال دیئے گئے تھے۔ لیکن اس زور سے حملہ کیا کہ قریشِ مکہ تاب نہ لا سکے۔ صفیں پھٹ گئیں۔ زوروں سے شمشیریں چل رہی ہیں مشرکین میں اضطراب و بے چینی سے فرار نمودار ہونا شروع ہوا۔ دیکھتے دیکھتے ہی میدان چھوڑ منہ موڑ پیٹھ دے کر بھاگ نکلے۔ مسلمانوں نے تعاقب کیا۔ مقام ظعن تک پہنچ گئے۔ جب قریش بھاگ رہے تھے تیر انداز جماعت ہدایات کو بھول گئی۔

"فانساھم الشیطن۔" شیطان نے جھٹکا دیا۔ جانا کہ دشمن بھاگ گیا ہے۔ جنگ ختم ہوئی فتح و نصرت ہمارے ہاتھ رہی۔ غنیمت غنیمت کے نعرے لگاتے۔ اپنی

جگہ چھوڑ کر جہاں سے دشمن بھاگا تھا لُوٹنے کو بڑھے۔

ان کے سردار عبداللہ بن جبیر بلاتے رہے۔ پکارتے رہے۔ لوگو! تمہیں اللہ اور اس کے رسول کا فرمان ہے۔ ایک قدم بھی اپنی جگہ سے ادھر ادھر نہ جاؤ۔ مگر کون سنتا۔ یہ کہتے دوڑے کہ مشرک تو بھاگ گئے۔ اب ٹھہرنے سے مقصد کیا ہے۔

دوسری طرف سیاست حرب کا ماہر صاحب فراست خالد بن ولید قریش کے امین کی کمان ہاتھ میں لئے تھا۔ مسلمانوں کی کمزوری بھانپ گیا۔ موقع غنیمت جانا۔ پہاڑ کے دوسرے رُخ سے پلٹ کر حملہ کر دیا۔ قطع و برید شروع ہوئی۔ جنگ کا نقشہ ہی بدل گیا۔ مسلمان ایسے خوف زدہ و ہراساں ہوئے۔ صفوں میں ایسا اضطراب اور پریشانی چھائی کہ تلوار چلا رہے ہیں خبر نہیں اپنوں کو کاٹ رہے ہیں یا دشمن کٹ رہا ہے۔

اُدھر قریش میں سے کسی نے آواز دی۔ خاکم بدہن محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) قتل ہو گئے۔ مشرکین کے حوصلے اور بڑھے جتنا ان کا دل بڑھا۔ مسلمانوں کا دل اتنا ہی کمزور ہُوا۔ کفار نے میدان جما لیا۔ مسلمان بھاگنے لگے۔ یہاں تک کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھوڑے آدمی رہ گئے۔ وُہ جو خالص پروانے تھے۔ انہوں نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔ اپنی جان پر تیر اور نیزوں کے زخم کھاتے۔ مگر حضور کو بچاتے رہے۔ مصعب بن عمیرؓ علمبردار حضور تو آخر دم تک آپ کو آڑ میں لئے بچاتا رہا۔ آخر شہید ہو گیا۔ آپ کے رُخ مبارک پر چند زخم بھی آئے۔ عتبہ بن ابی وقاص کے پتھر مارنے سے نیچے کے چار دانتوں میں سے دائیں جانب کے دو دانت شہید بھی ہو گئے۔ کثرت سے خوُن بہنے سے اور کمزوری لاحق ہو جانے سے ایک آڑ میں بیٹھ گئے۔ زرہ کے حلقے بھی کچھ رخسار مبارک میں دھنس گئے۔ حضرت علیؓ نے ہاتھ پکڑ کر اٹھایا۔ حضرت طلحہؓ نے تھاما۔ مالک بن حنان خدری نے خون آلود جگہ سے خوُن چوس لیا۔ ابو عبیدہ بن جراح نے خود کی دو کڑیاں جو رُخ مبارک میں بیٹھ گئی تھیں۔ نکالیں۔

اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے ایک عیسائی مورّخ لکھتا ہے۔ کہ عیسائی صاحبان عبرت کی نظر سے غور و فکر کریں۔ اور سوچیں کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور عیسٰے علیہ السّلام کے حواریین میں کتنا فرقِ بیّن نظر آتا ہے۔ عیسٰے علیہ السّلام کو یہودی صلیب پر لٹکاتے ہیں ان کے حواریّین ان کو اکیلا چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں۔ ایک حواری بھی نظر نہیں آتا۔ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے پروانے اور صحابہ اپنی جان پر نیزے اور تیر کھاتے ہیں لیکن ان کو اپنے دائرے میں لئے ہوئے ہیں۔ دائرہ سے باہر نہیں ہونے دیتے۔

یہ سچ ہے مگر یہ ان مسلمانوں کا ذکر ہے جنہوں نے اسلام کا پودا لگا کر اس کو اپنی جان اور اپنی اولادوں کے خون سے سینچا۔ خیر یہ جملہ معترضہ تھا۔
کسی نے خبر اڑا دی کہ سرورِ کائنات شہید ہو گئے۔ یہ سُن کر مسلمان افسردہ دل ہو کر بیٹھ گئے۔ نضر بن انس مسلمانوں کی ایک جماعت کی طرف جب متوجہ ہُوا ۔ وہ مایوس ہو کر کہنے لگے۔ اب جنگ کس امید پر کریں۔ نضر بن انس نے کہا اگر یہ صحیح ہے کہ سرورِ دو عالم شہید ہو گئے ہیں۔ تو پھر ہم زندہ رہ کر کیا کریں گے۔ حملہ کرو۔ سب اکٹھے جامِ شہادت پی لیں۔ اور جس قدر جلد ہو سکے۔ رفیق مخلص کی خدمت میں دُوسری دنیا میں جا حاضر ہوں۔ وہاں سے لوٹ کر نضر نے ایسا سخت حملہ کیا کہ کئی کفار مردار کر کے شہادت کا جام پی اس دنیا سے الوداع ہُوا۔ گنتی سے معلوم ہُوا کہ جسم مبارک پر تیر و سنان کے ستر زخم تھے۔

اسی دوران میں بنی سلمہ کے شاعر کعب بن مالک نے بلند آواز سے لوگوں کو سرورِ کائنات کی بشارت حیات دی۔ تمام مسلمان اکٹھے ہو گئے۔ اور مشرک میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔

مسلمان شہداء میں حمزہ بن عبدالمطلب عمّ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بھی تھے۔ جسے ہندہ بنتِ عتبہ زوجہ ابوسفیان نے اپنے مقتولوں کے انتقامی جذبہ میں مثلہ کر دیا تھا۔ اور پیٹ پھاڑ کر جگر کاٹ دانتوں میں چبا چبا کر تھوک دیا تھا۔

باقی مشرکین عورتوں نے بھی بہت سے مسلمانوں کے ناک اور کان کاٹ کر مثلہ کر کے فخر و مباہات کے طور پر اپنے گلوں کے ہار بنائے اور مکہ تک وہ ہار ساتھ لے گئیں۔

اسی روز شام کے وقت ابوسفیان پہاڑی کی چوٹی پر کھڑے ہو کر پکارا۔ اور کہا یہ اُحد بدر کا برابر کا بدلہ ہے نئے سال کے لئے پھر تیار رہنا۔

ادھر سے عمرؓ نے جواب دیا۔ برابر نہیں ہو سکتے۔ ہمارے شہید جنت میں جگہ پائیں گے۔ تمہارے مقتول جہنم کا ایندھن بنیں گے۔

یہ سُن کر ابوسفیان پکارا۔ تھوڑا میرے پاس تک آؤ۔ سرورِ دوجہان نے اجازت فرمائی۔ اب کیا خطرہ تھا۔ وہ چلے گئے۔ جب وہ پہنچے ابوسفیان نے صرف یہ پوچھا۔ تجھے خدا کی قسم سچ بتانا۔ کیا محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) قتل ہو گئے۔ عمرؓ نے جواب دیا۔ خدا کی قسم زندہ ہیں۔ دونوں نے آئندہ سال کی جنگ کے لئے آپس میں عہد باندھ

بصورتِ شکست فتح

بدر میں تین سو تیرہ مسلمانوں نے ہزار کفار کو ناکوں چنے چبوائے۔ ستر قتل ستر گرفتار باقی نے میدان چھوڑ کر راہِ فرار اختیار کی۔ اُحد میں بھی تین ہزار کے مقابلہ میں سات سو کی گنتی کچھ کم نہ تھی جبکہ اللہ تعالیٰ نے دس کے مقابلہ میں ایک کو کافی شمار کیا ہے۔ مگر یہاں فتح اور شکست دونوں رُخ نظر آتے ہیں اور مصائب و تکالیف زاید بر آں ہیں۔ اس کی لِمّ پر جب غور کرتے ہیں سوائے اس کے کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ قوم نے مقام و موقف نبی کے سمجھنے میں غلطی کھائی۔ اگر فرمان نبوی صلے اللہ علیہ وسلم کی بجا آوری میں تساہل اور غفلت نہ کی جاتی شکست کا منہ نہ دیکھنا پڑتا۔ سب سے پہلے مدینہ منورہ کو قلعہ بنا کر جنگ اختیار کرنے کے مشورہ میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی رائے کے خلاف آواز بلند کی گئی۔ پھر تیر اندازوں کا ان ہدایات کو نظر انداز کرنا جو زبانِ نبوت سے ا

کے لئے جاری کی گئی تھیں۔ کہ مقام دہانہ جبل کو کسی صورت میں ترک نہ کرنا۔ مصائب کا موجب ہُوا۔

انحرافِ اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ فرمانِ الٰہی سے اعراض کو لازم ہے۔ اس کا نتیجہ امدادِ الٰہی سے محروم رہنا ضروری ہے۔ الٰہی تعزیرات میں لکھا ہے۔ کہ "فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيٓ أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا" تیرے رب کی قسم جب تک اپنے اختلافات میں لوگ تجھے ثالث نہ مانیں۔ اور بے کھٹکے تیرے فیصلہ کو تسلیم نہ کر لیں۔ وُہ ایماندار نہیں ہیں۔ اور ایسے آدمیوں کا ایمان مقام قبولیت نہیں پا سکتا۔ پھر فرمایا مَآ أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللّٰهِ۔ جو رسول بھی ہم بھیجتے ہیں۔ اطاعت کے لئے ہی بھیجتے ہیں۔

حقیقت الامر یہ ہے۔ کہ صحابہ صالحین صادقین مخلصین فی الدین کو اسلام قبول کرنے میں اشد ترین تکالیف و مصائب سے دوچار ہونا پڑا۔ اگر ایمان پختہ نہ ہوتا۔ خُون کا ذرّہ ذرّہ حبِّ رسُول صلے اللہ علیہ وسلم اور صبغۃ اللہ سے رنگا نہ ہوتا۔ کیونکر ممکن ہوتا۔ کہ دُشمن کے پُورے لشکر کے مقابلہ میں صرف چودہ صحابی جن میں سات انصار ہیں اپنے قائد کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے تیر و سنان کے سارے وار اپنے جسم پر کھاتے دکھائی دیتے ہیں۔ اور سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم تک ایک تیر بھی نہیں جانے دیتے۔ یہی نقشہ دیکھ کر منصف صاحب بصیرت نصرانی مورخ نے لکھ دیا کہ عیسےٰ علیہ السّلام کے حواریوں اور محمّد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ میں اس موقع پر فرقِ بیّن نظر آتا ہے۔ کہ عیسٰی علیہ السّلام کے صلیب پر لٹکائے جانے کے موقع پر ان کے پاس ایک حواری بھی موجود نہ تھا۔ سب چھپ گئے۔ اور محمّد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پروانے میدان جنگ میں بھی شدّت کے موقع پر اُنہیں احاطہ میں لئے ہوئے اپنی جان پر تیر و سنان کھاتے دکھائی دیتے ہیں۔

ہاں ہاں اگر صحابہ کرام میں اذعان بالایمان نہ ہوتا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

میدان رِغا میں ٹھہر سکتے نہ ہی کوئی صحابی نظر آتا۔ یہ سب کچھ یقینِ کامل کی برکت سے ہے۔ کہ پہلے مسلمانوں کو مادی فتح ہوئی پھر روحانی فتح ہوئی۔ جب انہیں اپنی شکست سے یہ یقین حاصل ہوا۔ کہ ہماری مصائب اور دشمن کا غلبہ "ھمّا کسبت ایدینا" کا نتیجہ ہے۔ چونکہ ہم نے اپنے قائد اور نبیؐ کے امر سے اتباعِ ہوا کی خاطر اعراض و انحراف کیا۔ اس کا نتیجہ ہمیں بھگتنا چاہیئے تھا۔ انہوں نے اس سے یہ سبق حاصل کیا کہ قانونِ الٰہی اور امرِ رسولؐ میں ہماری عقلِ ناقص ناکام و نامرام ہی رہتی ہے عقل کو حاکم بنانا سخت غلطی ہے۔

اللہ یحکم مایشاء و مایرید۔

محمد رسول اللہ صلعم

ممنون

مولوی سلطان احمد خان